تخریج شدہ

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی شان میں مایہ ناز کتاب کا ترجمہ

شانِ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

ترجمہ

تطہیر الجنان واللسان

تصنیف

المحدث احمد بن حجر الہیتمی المکی رحمۃ اللہ علیہ

۸۹۹ تا ۹۷۴ھ

تحقیق و ترجمہ و تخریج

علامہ مفتی عبد المصطفیٰ محمد مجاہد العطاری القادری عفی عنہ

ناشر

اکبر بک سیلرز لاہور

إن الله وملئكته يصلون على النبى يا أيها الذين امنوا صلوا عليه وسلموا تسليما

الصلوة والسلام عليك يا سيدى

يا رسول الله

وعلى آلك واصحابك يا سيدى يا حبيب الله

خطبہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

تمام خوبیاں اللہ تعالیٰ کے لئے جس نے تمام لوگوں پر انبیاء کرام علیہم السلام کے اصحاب کی تعظیم کرنا واجب کیا اور ان کی آل کی تعظیم بھی واجب کی وہ آل واصحاب تو چنیدہ ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو ہر عیب، لغزش اور غلطی سے محفوظ رکھا اور ان کو اس خاصے سے ممتاز کیا کہ یہ لوگ ہر کمال اور ہر میدان میں سبقت کے جھنڈے حاصل کرنے والے ہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ اس کے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے اس کا کوئی شریک نہیں ہے کریم اور غفار ہے اور میں گواہی دیتا ہوں کہ ہمارے سردار محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے بندے اور اس کے رسول ہیں اور نبی مختار ہیں اللہ تعالیٰ درود بھیجے ان پر ان کی آل واصحاب پر ایسا درود جو ان پر صبح وشام جاری وساری رہے ان ہستیوں کے علوم کے دلائل اور ان کی دلیلوں کی قطعیت کو بغض وعناد رکھنے والے لوگوں کی ان میں سے کسی ایک پر بھی کسی قسم کے اعتراض یا کسی برے فعل کے صادر ہونے پر نقول نہیں توڑیں گے۔

حمد وصلوٰۃ کے بعد!

یہ چند صفحات ہیں جن کو میں نے حضرت سیدنا ابوعبدالرحمان امیر المومنین معاویہ بن صخر ابی سفیان بن حرب بن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف کے فضائل ان کے مناقب پر ان کی جنگوں اور بعض ان اعتراض اور شبہات کے جواب میں لکھا ہے جن کی وجہ سے بہت سے بدعتی اور خواہشات نفس کی پیروی کرنے والے جہلاء آپ رضی اللہ عنہ کی شان میں سب وشتم جائز سمجھتے ہیں جہالت کی وجہ سے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کو حقیر سمجھتے ہوئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے بہت زیادہ مبالغہ اور تاکید کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کرام علیہم الرضوان میں سے کسی ایک کی بارگاہ میں بھی سب وشتم اور کسی قسم کے نقص لگانے سے ڈرایا گیا ہے اور بچنے کا حکم دیا گیا ہے بالخصوص آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سسرالی رشتہ دار اور کاتبین اور اس ہستی کے بارے میں جس کو خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خوش خبری سنائی کہ عنقریب یہ میری امت کا مالک (حاکم) ہوگا اور جس کے لئے دعا فرمائی کہ یہ ہادی اور مہدی ہو جائے جیسا کہ یہ آئے گا اور اس کے علاوہ بھی بہت سے مزید انعامات فرمائے۔ ان وعیدات اور مبالغہ میں سے یہ بھی ہے کہ جس نے میرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی ایک کو تکلیف دی اس نے مجھے تکلیف دی اور جس نے مجھے تکلیف دی اس نے اللہ تعالیٰ کو تکلیف دی اور جس نے اللہ تعالیٰ کو تکلیف دی تو اللہ تعالیٰ اسے ہلاک فرما دے گا۔

تم میں سے کسی نے جو بھی خرچ کیا اگر یہ احد کے کئی مثل سونا بھی ہو نہ تو اس کا ثواب ان میں سے کسی ایک کے برابر ہو سکتا ہے اور نہ ہی اس کا نصف اور جس نے ان میں سے کسی ایک پر بھی سب وشتم کیا اس پر اللہ تعالیٰ اس کے فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت ہو۔ اللہ تعالیٰ اس سے کوئی فرض ونفل قبول نہیں فرمائے گا۔

اس کتاب کی تالیف کی طرف مجھے ہند کے سلاطین میں سے سلطان ہمایوں اکبر کی شدید اور اس کام پر ابھارنے والی طلب لائی جوان بادشاہوں میں سے سب سے زیادہ اصلاح چاہنے والے اور ان میں سے سب سے زیادہ سنت مطہرہ اور چمکتی ہوئی سنت سے تمسک کرنے میں شدید تھے اور اہل بیت سے شدید محبت کرنے والے تھے اور جو آپ کی طرف منسوب کیا جاتا ہے بالفرض اگر اس کا وقوع مان بھی لیا جائے پھر بھی آپ اس سے اس طرح بری ہیں کہ آپ کی برأت ہر قسم کے شک اور تہمت کو دفع کرنے والی ہے جیسا کہ آپ کی ابتداء وقت امارت کی طرح امارت وسلطنت کا آخری وقت میں بھی آپ سے نقل کی گئی چیزیں قطعی ہیں بلکہ میرے پاس تو اس شخص نے ان کے بارے میں ایک بات حکایت کی جو شخص ہمارے مشائخ کے مشائخ میں شمار ہوتے ہیں اور بنو صدیق کے بعض اکابرین میں سے ہیں کہ آپ نے (40) چالیس سال تک اللہ تعالیٰ سے حیاء کرتے ہوئے آسمان کی طرف نگاہ اٹھا کر نہ دیکھا اور آپ ہمیشہ اپنے ہاتھ کی کمائی سے کھاتے تھے اور جو کچھ علمائے اہلسنت سے مقدم جو آتا اس کی تعظیم میں مبالغہ کیا کرتے تھے اور اتنا مبالغہ کیا کرتے تھے کہ جو دوسروں سے سننے میں نہ آیا اس پر کثرت تردد کی طرح اور باوجود سلطنت کی وسعت کے اور ان کے لشکر کی شان وشوکت کے باوجود علماء کے سامنے ان کے طلباء کی طرح نیچے مٹی پر بیٹھتے تھے اور اکابر اغنیاء میں سے جو بھی جاتا اس پر بھی بہت انعام واکرام کرتے تھے اور اس کتاب کی طلب کا سبب یہ تھا کہ ان کے ملک میں ایک ایسا فرقہ اور ایک ایسی قوم آ گئی تھی جو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی تنقیص کرتی تھی اور آپ رضی اللہ عنہ کو گالیاں دیتی تھی اور بہت بڑی قبیح باتیں آپ رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کرتی تھی جن سے آپ رضی اللہ عنہ بالکل بری تھے کیونکہ آپ رضی اللہ عنہ نے کسی بھی اس چیز پر اقدام نہ کیا جو آپ رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے مگر کسی ایسی تاویل کی وجہ سے جو آپ رضی اللہ عنہ پر گناہ کے حکم کو دور کر دیتی ہے بلکہ آپ رضی اللہ عنہ کے لئے ثواب کا حصہ واجب کرتی ہے جیسا کہ عنقریب آئے گا تو میں نے آپ کا جواب دیا اس پر اس چیز کے بیان کو بڑھاتے ہوئے جو ضروری چیزیں تھیں۔ حضرت امیر المومنین رضی اللہ عنہ کے احوال جو ان جنگوں میں تھے جو آپ رضی اللہ عنہ نے حضرت ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا، حضرت طلحہ وزبیر رضی اللہ عنہما اور ان کے ساتھ متبعین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ جنگیں لڑیں' اور مبالغہ کرنے والے خارجیوں کے لئے ایک روایت میں بیس (20) ہزار سے زائد روایات ہیں ان اوصاف وعلامات میں جن کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے واضح فرما دیا۔ اسی طرح آپ رضی اللہ عنہ کے خلیفہ برحق ہونے اور امام صدق ہونے کے بارے میں بھی (اس کتاب میں لکھا ہے) تو جنہوں نے بھی ان بغاوت کرنے والوں کی جنگ میں حصہ لیا لیکن وہ خوارج میں سے نہیں اگر چہ وہ اس میں خطاء پر ہیں لیکن ثواب پائیں گے کیونکہ وہ ائمہ دین فقہائے کرام، مجتہدین اور ایسے تاویل کرنے والے ہیں جس کا احتمال بھی ہے بخلاف خوارج کے

کیونکہ ان کی تاویل قطعی البطلان ہے جیسا کہ عنقریب آئے گا اس کا واضح بیان اور پختہ دلیل اور میں نے اس کو اس سوال کے ساتھ ملا دیا جس کا ذکر گزرا کیونکہ فرقہ یزیدیہ، یزید کی مدح میں مبالغہ کرتا ہے اور اپنے دلائل بھی بیان کرتا ہے اس میدان کی وسعت میں قلم کی لگاموں کو وسیع کر کے تمسک کرتے ہوئے کیونکہ یہ اس ہدایت کی عطا میں سے ہے جس میں ادنیٰ سی دلیل بھی کافی ہے اور جس کو اس میں سے عطا نہ کیا گیا اسے قرآن وحدیث میں سے بھی نہ ملا اور اس کا نام میں نے تطهير الجنان واللسان عن الخطورة والتفوة بثلب معاويه ابن ابی سفيان (رضی اللہ عنہ) رکھا۔ عظیم مدح اور عظیم حق کے اثبات کے ساتھ امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کے فضائل میں سے اور میں نے اس کو ایک مقدمہ کئی فصول اور ایک خاتمہ پر ترتیب دیا ہے۔



مقدمہ

اے وہ مسلمان کہ جس کا دل محبت الٰہی عزوجل اور محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے بھرا ہوا ہے تجھ پر لازم ہے کہ تو اپنے نبی محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام اصحاب کرام رضی اللہ عنہم سے محبت رکھے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان تمام کو ان احسانات سے نوازا ہے کہ جن احسانات میں کوئی بھی ان کا بالکل شریک نہیں۔

اور وہ احسانات کیا ہیں۔

آقائے کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ان پر نظر شفقت کا پڑتے رہنا۔

اور یہ (تجھ پر لازم ہے) کہ تو اس بات کا عقیدہ رکھے کہ تمام کے تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم عادل ہیں جیسا کہ اس پر ائمہ کرام سلف وحلف کاربند رہے اور جو کچھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی ایک نے دوسرے کے بارے میں کہا تو ان باتوں کو اللہ تعالیٰ نے اپنے اس فرمان ذی شان

"رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ وَرَضُوْا عَنْہُ"

کے ساتھ مٹا دیا اور یہ بھی ان پر اللہ تعالیٰ نے احسان فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی کثرت سے مدح وتعریف فرمائی اور ان اصحاب کی عیب جوئی کرنے سے منع فرمایا۔

اور یہ کہ

اگر کوئی ان میں سے کسی ایک کے بارے میں ہرزہ سرائی کرے گا تو اس پر بہت سخت وعیدیں ہیں اور اس میں کسی بھی صحابی کی کوئی تخصیص نہیں (کہ خلفائے راشدین کے بارے میں بکنے والے پر تو وعیدات ہیں کسی اور صحابی کے بارے میں جو چاہے بکے ایسا ہرگز نہیں) کیونکہ ہر صحابی ایسے مقام میں ہے اور ایسے زمانے میں ہے کہ جس میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے امت کی طرف احکامات نازل ہوئے ہیں۔ اگر اس میں عموم مراد نہ ہوتا تو آیت میں بھی اس قدر اجمال نہ برتا جاتا' اور اس بات میں تو کسی کو شک نہیں ہونا چاہئے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اپنے نسب، نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے قرابت، اپنے علم وحلم (بردباری) وغیرہ کے لحاظ سے اجلۂ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے ہیں۔ عنقریب تم پر ان آیات سے بھی روشن ہو جائے گا جو میں آگے نقل کروں گا۔ تو آپ رضی اللہ عنہ سے بھی ان تمام اوصاف اور ان تمام احسانات الٰہیہ کے سبب محبت واجب ہے جس کے ساتھ آپ رضی اللہ عنہ بالاجماع متصف ہیں۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے اوصاف

ان اوصاف میں آپ رضی اللہ عنہ کا مشرف با اسلام ہونا

صحبت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مشرف ہونا۔

(منصب صحابیت حاصل ہونا)

عالی نسب ہونا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سسرالی رشتہ ہونا۔

اور یہ رشتہ تو ایسا ہے کہ جو جنت میں آپ رضی اللہ عنہ کی، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مرافقت کو لازم کر دیتا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سسرالی میں شریک ہونا (ہم زلف ہونا) جیسا کہ عنقریب اس کی بھی دلیل آئے گی۔

علم و حلم کی عظمت کے ساتھ ساتھ پہلے امیر المومنین رضی اللہ عنہ اور پھر بعد میں خلفیۃ المسلمین جیسا منصب ہونا۔

یہ تمام اوصاف تو ایسے ہیں کہ ان میں سے ایک ایک وصف ایسا ہے کہ جو آپ رضی اللہ عنہ کے ساتھ محبت کو پختہ کرنے کے لئے کافی ہے تو جب ایسی ہستی ہیں جن میں یہ تمام اوصاف جمع ہیں پھر محبت کا ایک مقام ہونا چاہیے؟

اتنی بات ہی اس شخص کے لئے کافی ہے جس کے دل میں تھوڑی سی...... لیکن پھر بھی اس شخص کے لئے اگر مزید دلائل بیان کیے جائیں تو وہ مزید پختگی اور وضاحت ہی کے لئے ہوں گے، استحقاق حق تو ابتدائی چند باتوں سے ہی ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ تجھے توفیق دے تو اس فرمان رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں غور کرو کہ

جب میرے کسی صحابی کا ذکر کیا جائے تو اپنی زبان (عیب جوئی سے) بند رکھو۔

(الصواعق المحرقۃ فالمقدمات ج:17، ص:657)

اس حدیث مبارکہ کے تمام راوی صحیح ہیں لیکن ایک راوی میں تھوڑا سا اختلاف ہے اور ان کو بھی ابن حبان وغیرہ محدثین نے ثقہ ہی کہا ہے۔

اسی طرح ایک اور حدیث مبارکہ جس کی سند اگر چہ متروک ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

تم میں سے جو شخص مجھے میرے صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) کے بارے میں (زبان کی) حفاظت کی ضمان دیتا ہے وہی میرے پاس حوض کوثر پر آسکے گا اور جو شخص ضمان نہیں دیتا وہ مجھے قیامت کے دن اپنے آپ سے دور ہی دیکھے گا۔

یہ روایت بھی صحیح ہے کہ

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے آپس میں ہونے والے کسی معاملے کے بارے میں بات کی تو حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

ابھی خاموش ہو جائیے! بے شک ہمارے درمیان ہونے والے معاملات (ناراضگی) ہمارے دینی معاملات میں نہیں ہیں۔

ایک ایسی روایت کہ جس کی سند متروک ہے

وہ یہ ہے کہ

حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت زبیر رضی اللہ عنہ بازار میں ملے تو ان دونوں کے درمیان شہادت حضرت عثمان ذی النورین رضی اللہ عنہ کے بارے میں کلام اتنا بڑھا کہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے حضرت علی رضی اللہ عنہما کی شان میں کوئی نازیبا الفاظ کہہ دیئے۔

تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

کیا آپ رضی اللہ عنہ نے سنا نہیں کہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے کیا کہا۔

اس پر حضرت زبیر رضی اللہ عنہ جلال میں آ گئے اور اپنے بیٹے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ پر غصے ہونے کے ساتھ ساتھ انہیں مارا جس کی وجہ سے وہ (بازار سے) واپس آ گئے۔

ایک سند جس کے تمام راوی صحیح اور ثقہ ہیں لیکن راوی میں اختلاف ہے۔

روایت کچھ یوں ہے کہ

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ اللہ تعالیٰ کے فرمان

وَاتَّقُوا فِتْنَةً......

کے بارے میں فرماتے ہیں کہ

ہم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دور اقدس پھر سیدنا صدیق اکبر اور عمر فاروق اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم کے ادوار طیبہ میں اس فتنہ کے بارے میں باتیں کیا کرتے تھے کہ (شاید) ہم اس فتنہ کے لائق ہی نہیں حتیٰ کہ یہ فتنہ (حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دور میں) ہم میں نازل ہو گیا۔

اور ایک خبر جس کی سند صحیح ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

کیا تم دیکھتے ہو (اس فتنے کو) جس میں میری امت کو مبتلا کیا جائے گا اور ان میں سے بعض بعض کا خون بہائیں گے اور یہ تو پہلے ہی اللہ تعالیٰ کے فرمان میں موجود ہے جس طرح کہ پہلی امتوں کے بارے میں خبریں ان سے پہلے ہی (لوح محفوظ میں) موجود تھیں پس میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کے حق میں قیامت کے دن شفاعت کا ولی بننے کا سوال کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (ایسا کر دیا) ایسا ہی کیا۔

(توحید و اثبات صفات الرب عزوجل: باب ذکر الدلیل علی صحۃ ما دلت قولہ: ج:2، ص:657)

ایک خبر جس کے تمام راوی ثقہ ہیں اس میں ہے کہ
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
میری امت کا عذاب تو ان کو دنیا میں ہی مل جائے گا۔
یعنی زندگی میں جو بھی آزمائشیں اور مشقتیں آئیں گی تو یہ ان میں سے مبتلا ہونے والے مسلمانوں کے گناہوں کو مٹانے کا سبب ہوں گی۔
اور صحیح خبر میں ہے کہ
اللہ تعالیٰ نے اس امت کی سزا اس دنیا ہی میں رکھ دی ہے۔
ایک خبر جس کے تمام راوی ایک کے علاوہ ثقہ ہیں اور اس ایک کو بھی علامہ ابن حبان نے ثقہ کہا ہے کہ
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
میری امت تو امت مرحومہ (یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے رحم کی گئی) ہے۔
تحقیق اللہ تعالیٰ نے ان سے عذاب اٹھالیا ہے یعنی کوئی بھی نازل ہونے والا عذاب۔
ہاں مگر اپنے ہاتھوں سے جو اپنے آپ کو عذاب دینا چاہے۔
یعنی امت میں سے لوگ ہی ایک دوسرے کے ساتھ کینہ رکھیں گے کیونکہ یہ بات تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کئی طرق کے ساتھ ثابت بھی ہے کہ
ہمارے میرے آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب عزوجل سے یہ سوال کیا کہ
میری امت کے لوگوں کے باہمی اختلافات سے امت کو بچانا تو پروردگار عالم عزوجل نے اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی جواب مرحمت نہ فرمایا۔
(الفتن نعیم بن حماد: الخسف والزلازل والرجفۃ والمسخ جز:2،ص:615)
ایک ضعیف خبر میں ہے کہ
اس امت کی سزا تو تلواروں کے ساتھ بھی ہے اور ان کے وعدے کا وقت قیامت ہے۔
(معجم الکبیر: معقل بن یسار یکنی ابا علی: جز:20،ص:202)
اس تمام کلام کا ماحاصل یہی ہے کہ صحابہ کرام علیہم الرضوان کے درمیان جو بھی جنگیں ہوئی ہیں تو وہ دنیا تک محدود ہیں۔
بہر حال اخروی معاملات میں تو ان میں سے ہر ایک مجتہد (کامل) ہے تمام کے لئے ہی ثواب ہے (کیونکہ مجتہد اپنے اجتہاد میں اگر درست مسئلے تک پہنچے تو دگنا ثواب ملتا ہے درست رائے تک پہنچنے کا بھی اور اجتہاد کرنے کا بھی لیکن اگر درست رائے تک نہ پہنچ سکے تو فقط اجتہاد کرنے کا ثواب تو بہر حال ملتا ہی ہے)

لیکن ان تمام کے ثواب میں تو فرق بہر حال ہوگا ہی کیونکہ جس نے اجتہاد کیا اور درست رائے قائم کی جیسا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور آپ رضی اللہ عنہ کا ساتھ دینے والے تو ان کے لئے دگنے اجر ہیں۔

بلکہ ایک روایت کے مطابق ان کے لئے دس گنا اجر ہے۔

اور جن اصحاب نے اجتہاد کیا لیکن درست رائے تک نہ پہنچ سکے

جیسا کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ

تو ان کے لئے ایک اجر ہے۔

کیونکہ یہ تمام اصحاب اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کی اطاعت میں اپنے گمانوں اور اپنے ان اجتہادات سے کوششیں کرنے والے ہیں جو اجتہاد ان کے وسیع علوم وعرفان سے پیدا ہوئے۔

اور ان کے یہ علوم (عام نہیں ہیں بلکہ)

پس اگر تم اپنے دین کو فتنوں، بدعتی بننے، بغض وعناد اور مشقتوں سے بچانا چاہتے ہو تو اور اللہ تعالیٰ ہی سیدھے راستے کی طرف ہدایت دینے والا ہے اور وہی ہمیں کافی ہے اور کتنا ہی اچھا کارساز ہے اور دو ایسی سندیں بھی ہیں کہ جن میں ایک ایسے راوی جن کو ابن معین ثقہ کہہ چکے ان کے علاوہ بقیہ تمام راوی ثقہ ہیں۔

وہ روایت یہ ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

بنی اسرائیل اور دوسری روایت میں یہود اکہتر (71) فرقوں میں بٹے اور نصاریٰ بہتر (72) فرقوں میں اور میری امت ان پر بھی ایک مزید فرقے کے ساتھ سبقت لے جائے گی (یعنی 73 فرقوں میں بٹے گی) اور یہ تمام کے تمام ایک فرقے سواد اعظم کے علاوہ جہنمی ہیں۔

(الشریعۃ ج:1،ص:431 دار الوطن الریاض)

اور ایک اور روایت جس کی سند میں بہت زیادہ ضعیف راوی ہیں اس میں کچھ یوں ہے کہ

تمام کے تمام گمراہی پر ہیں سوائے سواد اعظم کے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا:

یہ سواد اعظم کون ہوں گے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

یہ وہ لوگ ہوں گے جو میرے اور میرے صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) کے طریقے پر (چلتے) ہوں گے، جو لوگ اللہ تعالیٰ کے دین میں اور جو اہل توحید (مسلمانوں) میں سے کسی پر بھی فقط اس کے گناہ کے سبب کفر کا فتویٰ نہ لگائیں گے۔

اسی وجہ سے علمائے کرام فرماتے ہیں کہ

(اس سے) مراد اہل سنت ہیں وہ اس طرح کہ (علماء نے) اہل سنت کا اطلاق انہوں نے امام ابوالحسن اشعری اور ابومنصور ماتریدی علیہ الرحمہ کے متبعین پر کیا۔ کیونکہ یہی (اشاعرہ و ماتریدیہ ہی) وہ لوگ ہیں کہ جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب، تابعین اور ان کے بعد تبع تابعین کے طریقے پر عمل پیرا ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ یہ سواد اعظم بھی ہیں کیونکہ ان کے علاوہ تو تم کوئی ایسا فرقہ نہ پاؤ گے کہ جنہوں نے ان جیسی شہرت حاصل کی ہو اور نہ ہی کوئی ایسا ہے کہ جنہوں نے ان جیسی کثرت حاصل کی ہو اور یہی لوگ عام مسلمانوں کے ہاں اتنی کثرت میں سے ہیں کہ جس طرح یہود و نصاریٰ مسلمانوں کے مقابلے میں کثرت میں سے ہیں اور بقیہ فرقے ان کے سامنے بہت ہی قلت انتہائی حقیر و ذلت اور چھوٹے معلوم ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان پر اسی کا دوام رکھے (آمین ثم آمین)

تنبیہ

حدیث مبارکہ میں آیا ہے کہ

باطل کے ساتھ لڑائی کرنے کی قوت اور اس پر قدرت ہونا گمراہی کی علامات میں سے ہے اس کی بنیاد فرمان باری تعالیٰ ہے۔

مَاضَرَبُوْهُ لَكَ اِلَّا جَدَلًاط بَلْ هُمْ قَوْمٌ خَصِمُوْنَ○(۵۸:۴۳)

اللہ تعالیٰ تجھے توفیق بخشے تو کسی بدعتی کے ساتھ لڑائی جھگڑے میں سے بچے۔

کیونکہ جب تو اس پر پختہ دلائل اور مضبوط برہان قائم کرے گا اور اس کے سامنے آیات قرآنیہ رکھے گا وہ تیری باتوں کو نہیں مانے گا اور اس پر وہ بہتان باندھے گا اور بغض کرے گا لہٰذا اس سے تو اعراض کر۔



پہلی فصل

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے اسلام کے متعلق

علامہ واقدی کی روایت کے مطابق صلح حدیبیہ کے بعد آپ رضی اللہ عنہ اسلام لائے اور آپ کے علاوہ کا مؤقف یہ ہے کہ حدیبیہ کے دن ہی مشرف با اسلام ہوئے تھے اور اپنے والدین سے اپنے اسلام کو چھپا کر رکھا تھا حتیٰ کہ فتح مکہ کے دن اپنے اسلام کا اظہار کر دیا تھا۔ آپ رضی اللہ عنہ اس عمرہ کے وقت مسلمان تھے اس کی تائید اس روایت سے بھی ملتی ہے کہ

امام احمد نے دوسرے طریقہ سے جس کی تخریج فرمائی کہ محمد باقر بن علی زین العابدین ابن الحسین حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت فرماتے ہیں کہ

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ

میں نے مقام مروہ میں خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے موئے مبارک لئے (قصر کا لفظ عربی زبان میں بال کاٹنے کے لئے استعمال ہوتا ہے)

(مسند احمد: حدیث معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ جز:34، ص:229)

اور اصل حدیث بخاری شریف میں اس سند سے ہے کہ

حضرت طاؤس نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت فرمایا کہ جس میں (قصرت بمشقص) کے الفاظ ہیں اور دونوں روایت میں ہی مروہ کے الفاظ نہیں ہیں۔

(صحیح البخاری: الحلق والتقصیر عند الاحلال جز:6، ص:213)

لیکن یہ روایت ان کے خلاف ہے جو اس بات میں حصر کر دیتے ہیں کہ پہلی روایت (مروہ والی) تو اس بات پر ہی دلالت کرتی ہے کہ آپ عمرہ قضا کے وقت مسلمان تھے۔

پہلی روایت کی دلالت تو بالکل واضح ہے کیونکہ اس میں تو آپ رضی اللہ عنہ یہ خبر دے رہے ہیں کہ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بال مبارک لینے والا واقعہ مقام مروہ پر ہوا تھا۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ

یہ تقصیر (بال لینے کا معاملہ) عمرہ میں ہی تھا کیونکہ حجۃ الوداع میں تو نبی اکرم جان عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مقام منیٰ شریف

پر حلق کروایا تھا اور اس بات پر تمام کا اجماع ہے۔

اور دوسری روایت سے اس طرح پتہ چلتا ہے کہ

(جس میں مشقص کے الفاظ ہیں) کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر تو قصر فرمایا ہی نہیں نہ مکہ مکرمہ میں اور نہ ہی منیٰ میں۔

تو اس سے ثابت ہوا کہ

یہ تقصیر فرمانا عمرہ کے لئے ہی ہوگا۔

(الغرض دونوں روایتوں سے بھی ظاہر ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ نے چاہے مقام مروہ میں یا مقام مشقص میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے موئے مبارک لئے ہوں وہ عمرہ قضا ہی کے لئے تھے جس سے پتہ چلا کہ آپ رضی اللہ عنہ اس وقت مسلمان تھے)

اعتراض

اگر کوئی شخص یہ اعتراض کرے کہ ہوسکتا ہے کہ یہ عمرہ جو روایتوں میں ہے عمرہ قضاء نہ ہو کہ جو حدیبیہ کے بعد فتح مکہ سے پہلے ادا کیا گیا تھا بلکہ اس عمرہ سے مراد ہوسکتا ہے کہ عمرہ جعرانہ ہو جو کہ فتح مکہ، جنگ حنین، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ضروری ساز وسامان لے کر جعرانہ کی طرف جب آئے تھے تو وہ (8) آٹھ ہجری کے اواخر میں تھا تو اگر عمرہ جعرانہ مراد لو تو پھر وہ بات جو تم نے کہی تھی کہ آپ رضی اللہ عنہ صلح حدیبیہ یا اس کے فوراً بعد مسلمان ہوئے یہ بات تو ثابت نہ ہوئی۔

جواب

عمرہ جعرانہ اس سے مراد ہو ہی نہیں سکتا کیونکہ وہ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے رات کی تاریکی میں اکثر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بغیر بتائے ادا فرمایا تھا۔

یہی وجہ ہے کہ

اکثر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تو اس کا انکار بھی فرماتے تھے۔

واقعہ عمرۂ جعرانہ

اس عمرہ مبارکہ کا واقعہ کچھ یوں ہوا تھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مقام جعرانہ میں نماز عشاء پڑھانے کے بعد اپنے اہل (ازواج میں کسی زوجہ محترمہ) کے پاس تشریف لے گئے۔ جب تمام لوگ اپنے اپنے بستروں کی طرف جانے کے لئے متفرق ہوگئے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عمرہ کا احرام زیب تن فرما کر چند ایک صحابہ کرام رضی اللہ عنہم خواص کے ساتھ مکہ مکرمہ زادھا اللہ شرفاً وتعظیماً کی طرف تشریف لے گئے مناسک عمرہ ادا فرمائے پھر اسی طرح واپس اپنے اہل

میں تشریف لے آئے اور کسی کو خبر تک نہ ہونے پائی اور اگلی صبح اپنے اہل سے اس طرح باہر تشریف لائے کہ گویا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں کے اندر ہی رات گزاری ہے (اور رات کو کہیں بھی نہ گئے ہوں) پس اس عمرہ کا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض خواص کے علاوہ کسی کو پتہ نہ چلا اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اس وقت ان خواص میں داخل ہی نہ تھے۔

لہٰذا یہ کہنا کہ

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے موئے مبارک لئے تھے یہ واقعہ اس عمرہ جعرانہ کا ہے یہ تو ظاہر سے بہت بعید بات ہے۔ یہ تو محض ایک احتمال تھا اور محققین اس طرح کے احتمالات بعیدہ کا لحاظ نہیں کرتے۔

اعتراض

اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ آپ رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کیا اور چھپائے رکھا اس کے علاوہ آپ رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان پر ہجرت بھی نہیں کی یہ بھی تو نقص ہے اور کتنا بڑا نقص ہے۔

جواب

ایسی باتیں مطلقاً ہی عیب شمار نہیں ہوتیں اور ہوں بھی کیسے کہ اسلام چھپانے والا معاملہ تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے ساتھ بھی ہوا کیونکہ راجح قول ہے حضرت عباس رضی اللہ عنہ جنگ بدر کے موقع پر مسلمان ہو چکے تھے اور فتح مکہ تک اپنے اسلام کو چھپائے رکھا تھا بلکہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا ایمان تو زیادہ بہتر ہے کیونکہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے اسلام چھپانے کی مدت تقریباً چھ سال تھی لیکن حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے تو صرف ایک سال ہی اپنے ایمان کو چھپایا تھا تو جب ایمان کو چھپانا حضرت عباس رضی اللہ عنہ میں عیب جوئی کوئی شمار نہیں کرتا تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ میں کیوں؟ اور یہ چیز تو عیب ہو بھی نہیں سکتی کیونکہ یہ محض ایک عذر کی وجہ سے تھا اسی طرح ہی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے بھی عذر کے پیش نظر ہی ایسا فرمایا اور ہجرت تو واجب ہی اس وقت ہوتی ہے جب کوئی عذر نہ ہو (عذر کی صورت میں رخصت کا ہونا تو قرآن پاک میں موجود ہے کہ اِلَّا الْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ حِيْلَةً وَّلَا يَهْتَدُوْنَ سَبِيْلًاo (۹۸:۴)

اور اگر کسی معذور شخص کو اپنے اوپر ہجرت کے واجب ہونے کا پتہ ہی نہ ہو تو یہ بھی عذر شمار کیا گیا ہے۔

ایک روایت میں آتا ہے کہ

آپ کی والدہ محترمہ جو اس وقت مسلمان نہ ہوئی تھیں انہوں نے آپ رضی اللہ عنہ سے فرما دیا تھا کہ اگر آپ رضی اللہ عنہ نے ہجرت کی تو ہم آپ رضی اللہ عنہ کا نفقہ (کھانا پینا) ہی بند کر دیں گے اور یہ تو بالکل ظاہر عذر ہے۔

اعتراض

ایک اور اعتراض بھی وارد کیا جاتا ہے جو باطل ہے۔

وہ اعتراض یہ ہے کہ

علامہ واقدی نے جو روایت نقل کی آپ رضی اللہ عنہ فتح مکہ سے پہلے اسلام لا چکے تھے اس روایت کو تو حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ والی صحیح روایت رد کر رہی ہے۔

اور وہ روایت یہ ہے کہ

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ

عمرہ قضیہ تو حج کے مہینوں میں ہوا تھا جو ہم نے بھی کیا تھا اور یہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اس دن بھی کافر ہی تھے۔

جواب

ہم یہ کہتے ہیں کہ اس اعتراض کا سادہ سا جواب ہے بلکہ یہ اعتراض تو بنتا ہی نہیں کیونکہ اگر فرض کرو کہ آپ رضی اللہ عنہ نے اسلام چھپایا تو حضرت سعد رضی اللہ عنہ ان حضرات کرام میں سے تھے جن کو آپ رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کا علم نہ تھا تو اس وجہ سے یہ اس دن بھی آپ رضی اللہ عنہ کو پہلی حالت یعنی حالت کفر پر ہی سمجھتے تھے باعتبار ظاہر اور اپنے علم کے لحاظ سے آپ رضی اللہ عنہ پر کفر کا حکم ہی لگاتے تھے اور بہر حال فتح مکہ مکرمہ کے روز آپ رضی اللہ عنہ کا اسلام (ظاہر فرما دینا) تو اس میں تو کسی کو کوئی اختلاف ہی نہیں جس طرح کہ آپ رضی اللہ عنہ کے والدین اور بھائی یزید رضی اللہ عنہم اس دن اسلام لائے تھے۔

اعتراض

بعض مؤرخین نے آپ رضی اللہ عنہ کے حالات زندگی لکھتے ہوئے یہ بھی لکھا ہے کہ

آپ رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوہ حنین میں شریک ہوئے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہوازن سے حاصل شدہ مال غنیمت میں سے آپ رضی اللہ عنہ کو سو (100) اونٹ اور چالیس (40) اوقیہ سونا عطا فرمایا تھا اور اس وقت آپ رضی اللہ عنہ اور آپ رضی اللہ عنہ کی والدہ حضرت ابو سفیان رضی اللہ عنہ مؤلفہ قلوب میں سے تھے پھر بعد میں آپ رضی اللہ عنہ کا اسلام اچھا ہو گیا تھا۔

تو اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ

آپ رضی اللہ عنہ فتح مکہ ہی کے دن مسلمان ہوئے پہلے اسلام قبول نہ کیا تھا کیونکہ اگر آپ رضی اللہ عنہ نے اپنے تمام گھر والوں سے پہلے ہی اسلام قبول کیا ہوتا تو اس دن آپ رضی اللہ عنہ اپنے والد گرامی کی طرح مؤلفہ قلوب میں سے نہ ہوتے؟

جواب

میں کہتا ہوں کہ یہ بھی کسی بھی لحاظ سے اعتراض نہیں بنتا۔

اولاً:

تو یہ وجہ ہے کہ جو آپ رضی اللہ عنہ کو مؤلفہ قلوب میں سے شمار کرتا تھا تو وہ فقط اس وجہ سے کہ اس کے نزدیک آپ رضی اللہ

عنہ فتح مکہ کے دن ہی اسلام لائے اس سے پہلے نہیں لائے (اور فتح مکہ کے دن ہی آپ رضی اللہ عنہ کا اسلام سمجھنا یہ خود اس کے اپنے عدم علم کی وجہ سے ہے)

جیسا کہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو معلوم نہ تھا۔

اور یہ بات اس چیز پر دلالت کرتی ہے کہ اس بات کو ہی مدنظر رکھتے ہوئے کسی مؤرخ نے آپ رضی اللہ عنہ کے حالات زندگی لکھتے ہوئے آپ رضی اللہ عنہ کو بھی آپ رضی اللہ عنہ کے والد گرامی کے ساتھ ملا دیا۔ لیکن ہاں جو لوگ آپ رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ جانتے تھے کہ آپ رضی اللہ عنہ فتح مکہ سے قریباً ایک سال پہلے ہی اسلام لے آئے تھے اور آپ رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہجرت محض عذر کی بنا پر نہ کی تھی تو وہ مؤرخین تو آپ رضی اللہ عنہ کو مؤلفہ قلوب میں سے سمجھتے ہی نہیں تھے۔ باقی رہا کہ آقائے نعمت صلی اللہ علیہ وسلم کا آپ رضی اللہ عنہ کو عطا یا دینا اور آپ رضی اللہ عنہ کی جھولی میں اپنی سخاوت کے دریا میں سے کچھ عطا فرما دینا تو محض یہ چیز تو مؤلفہ قلوب ہونے کی دلیل نہیں ہو سکتی۔ کیا یہ بات نہیں دیکھتے کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے اپنے اسلام کو چھپائے رکھا پھر فتح مکہ کے دن اسلام ظاہر بھی فرما دیا پھر بحرین سے کچھ مال نقدی کی صورت میں آیا تو آقائے نعمت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس نقدی میں سے آپ رضی اللہ عنہ کو اتنا دیا' اتنا دیا کہ آپ رضی اللہ عنہ سے اٹھایا ہی نہ گیا۔ تو جس طرح یہاں میرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سخاوت اس بات پر دلیل نہیں کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ مؤلفہ قلوب میں سے ہیں اسی طرح حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر سخاوت بھی اس چیز کی دلیل نہیں بن سکتی۔

اور بے شک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ رضی اللہ عنہ کو فقط اس لئے اتنا عطا فرمایا تاکہ آپ رضی اللہ عنہ کے والد کی زیادہ دل جوئی ہو جائے اور دل جوئی بھی اس لئے کہ وہ سرداران مکہ مکرمہ میں سے تھے اسی وجہ سے ہی فتح مکہ مکرمہ کے دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا کہ جو ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو جائے اسے بھی امان ملے گی۔ تو اس دن بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کو ہی دوسروں پر ممتاز رکھا اور مقصد فقط آپ رضی اللہ عنہ کی دل جوئی کرنے اور آپ رضی اللہ عنہ کے شرف اور فخر کا ہی اعلان کرنا تھا کیونکہ آپ رضی اللہ عنہ سردار مکہ ہونے کی وجہ سے اپنی قوم میں فخر کرنے کو پسند فرماتے تھے۔

بہر حال حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے والد (حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ) کا مؤلفہ قلوب میں سے ہونا تو بالکل ظاہر ہے پھر بعد میں آپ رضی اللہ عنہ کا ایمان حسن درجہ کا ہو گیا تھا اور بعد میں دین اسلام میں آپ رضی اللہ عنہ کی اتنی پختگی ہو گئی کہ آپ رضی اللہ عنہ اکابر صدیقین اور ان لوگوں میں سے ہو گئے جو تمام مومنین میں ایک ممتاز حیثیت رکھتے تھے۔

اور یہ بات بھی قابل غور ہے کہ

مؤلفہ قلوب میں ہونے کی وجہ سے مذمت تو اس کی کی جاتی ہے جو ہمیشہ اسی صفت پر ہی رہے اور حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ تو ہرگز ان لوگوں میں سے نہ تھے جیسا کہ اس پر آپ رضی اللہ عنہ کی پاکیزہ سیرت کے مختلف گوشے گواہ ہیں۔

مثال کے طور پر
حالت جنگ میں شجاعت و بہادری کے کارنامہ اور اسی طرح عام حالات زندگی کے طور اطوار وغیرہ۔
ان آثار صالحہ میں سے چند ایسی خبریں بھی ہمیں ملتی ہیں جو اس بات پر بھی دلالت کرتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی آپ رضی اللہ عنہ کے اسلام کی پختگی کو جانتے تھے اور یہ بھی جانتے تھے کہ آپ رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر حکم اور امر کو نہایت ہی عاجزی و انکساری اور بہت ہی زیادہ کھلے دل سے تسلیم کرنے والے تھے اور ہمیشہ فرمان مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنی گردن کو جھکانے والے تھے۔
یہی وجہ ہے کہ
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ رضی اللہ عنہ کے حق میں کئی ایسے فیصلے بھی فرمائے جو آپ رضی اللہ عنہ کی فطرت اصلیہ کے بالکل ناموافق تھے مثلاً کہ آپ رضی اللہ عنہ بہت کم خرچ فرماتے تھے حتیٰ کہ اپنی زوجہ اور بیٹے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر بھی کم ہی خرچ فرماتے تھے۔
(تطہیر الجنان واللسان عربی: فی اسلامہ معاویہ رضی اللہ عنہ ص:8)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ اور حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کا سرخم تسلیم کرنا

آپ رضی اللہ عنہ کے اسلام کا بہت ہی مشہور واقعہ ہے کہ
جب آپ رضی اللہ عنہ اور آپ رضی اللہ عنہ کی زوجہ (ہندہ) نے اسلام قبول کیا تو آپ رضی اللہ عنہ کی زوجہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار میں شکایت کے لئے حاضر ہوئیں۔
اور یوں عرض کیا کہ
یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! حضرت ابوسفیان (رضی اللہ عنہ) بہت کم خرچ کرنے والے مرد ہیں وہ مجھے اتنا خرچہ نہیں دیتے جو میرے لئے اور میرے بیٹے معاویہ (رضی اللہ عنہ) کے لئے کافی ہو (تو مجھے کیا کرنا چاہئے شریعت میں میرے لئے کہاں تک اجازت ہے)
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے ارشاد فرمایا:
ابوسفیان کے مال سے اتنے قدر عدل و انصاف کے ساتھ لے لیا کرو جو تمہیں اور تمہارے بیٹے کو کافی ہو۔
(المفصل فی شرح آیۃ الولاء والبراء: وسئل رحمہ اللہ عن الغیبۃ مل تجوز: جز:1 ص:224)
تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی غیر موجودگی میں بظاہر ان کی زوجہ کے حق میں فیصلہ فرمایا یہ فقط اسی وجہ سے تھا کہ نبی مکرم آقائے دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم جانتے تھے کہ آپ اس فیصلے سے راضی بھی ہوں گے اور سر تسلیم خم بھی کر دیں گے اگرچہ اس میں اپنے نفس اور اپنی جان پر خاص مشقت ہے کیونکہ آپ رضی اللہ عنہ کی طبیعت میں تو کم خرچ پایا

جاتا تھا۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا اسلام نظرِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں

اس قسم کی روایات اور آثار بھی بکثرت ملتے ہیں جو اس بات پر شاہد ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی والدہ محترمہ کے اسلام کی پختگی کو بھی جانتے تھے۔

جن چیزوں نے آپ رضی اللہ عنہ کی والدہ کو اسلام پر ابھارا ان میں سے ایک یہ واقعہ بھی ہے۔

جب مکہ مکرمہ زادھا اللہ شرفاً و تعظیماً فتح ہوا تو آپ رضی اللہ عنہا رات کے وقت مسجد حرام میں داخل ہوئیں آپ رضی اللہ عنہا نے دیکھا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مسجد بھری پڑی ہے اور تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نماز، تلاوت قرآن مجید، طواف، ذکر اللہ اور اس کے علاوہ کئی عبادات کرنے میں کوشاں نظر آئے۔

اس پر آپ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ

اللہ تعالیٰ کی قسم! میں نے اس رات سے پہلے کبھی بھی کسی کو نہیں دیکھا جس نے اس مسجد میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کا حق ادا کیا ہو۔

اللہ تعالیٰ کی قسم!

یہ لوگ تو ساری رات نماز میں قیام اور رکوع و سجود کی ادائیگی میں ہی گزارتے ہیں جس کی وجہ سے آپ رضی اللہ عنہا کا دل اسلام پر مطمئن ہو گیا لیکن آپ رضی اللہ عنہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں جانے سے ڈرتی تھیں کہ

ہو سکتا ہے کہ

آپ سے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو شہید کروانے کے بعد مثلہ کروانا تھا کہیں اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے کوئی سرزنش نہ ہو۔ پھر جب بعد میں آپ رضی اللہ عنہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت کرنے کے لئے اپنی قوم کے ایک شخص کے ساتھ حاضر ہوئیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس عفو و درگزر کے علاوہ کشادہ روئی اور خندہ پیشانی سے ایسا استقبال پایا جس کا آپ کے ذہن میں تصور بھی نہ تھا۔

بیعت کرتے ہوئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیعت کے لئے یہ شرط لگائی کہ

زنا سے بچتے رہنا۔

آپ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ

یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! کیا کبھی آزاد عورت بھی زنا کر سکتی ہے۔

زنا تو فقط زنا کار عورتیں ہی کرتی ہیں جو زنا کے لئے ہی تیار رہتی ہیں۔

پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ شرط لگائی کہ

چوری سے بچتے رہنا تو آپ رضی اللہ عنہا خاموش ہوگئیں۔

اور یوں عرض گزار ہوئیں کہ

ابوسفیان (رضی اللہ عنہ) بہت کم خرچ کرنے والے مردوں میں سے ہیں اور کفایت بھر مقدار خرچ نہیں دیتے ہاں مگر میں ان کو بتائے بغیر مال سے کچھ نہ کچھ لے لیتی ہوں۔

تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اجازت مرحمت فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ

ابوسفیان کے مال میں سے عدل وانصاف کے ساتھ اتنا لے لیا کرو جو تمہیں اور تمہارے بیٹے کو کافی ہو۔

اب حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی فرمان مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر فرمانبرداری دیکھئے کہ جب ان کو یہ خبر ملی تو اس فرمان شاہی پر ہی بس نہ کیا بلکہ اضافہ کرتے ہوئے اپنی زوجہ سے کہا کہ جتنا چاہے میرے مال سے لے لیا کرو سب تیرے لئے حلال ہے۔

اور دوسری روایت میں یوں ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ سے آپ رضی اللہ عنہ کی زوجہ کے بارے میں اجازت کا کہا تو آپ رضی اللہ عنہ نے چھوہارے چھوڑ کر تازہ کھجوریں لینے کی اجازت عطا فرمادی' اور جب آپ رضی اللہ عنہا ایمان لائیں تو بہت زیادہ ثابت قدم اور شب بیدار ہوگئیں اور یہ یقیناً نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کرنے کا ہی نتیجہ تھا کہ آپ رضی اللہ عنہا اپنے گھر میں پڑے بت کے پاس گئیں اور اپنے پاؤں سے ٹھوکریں لگا لگا کر اسے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور ٹھوکریں مارتے ہوئے یوں کہتی جاتیں کہ

ہم تیری ہی وجہ سے دھوکہ میں تھیں۔

(معجم الکبیر: من اسمہ معاویۃ جز:19، ص:305)

تنبیہ

سند حسن میں ہے کہ

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا رنگ گورا، قد وقامت دراز، سر کے دونوں جانب بال اترے ہوئے تھے، سر اور داڑھی مبارک موئے مبارک سفید تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ کے بعض سیرت نگاروں نے یہ بھی اضافہ کیا کہ

آپ رضی اللہ عنہ لوگوں میں نہایت ہی خوبصورت تھے۔



دوسری فصل

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے فضائل ومناقب وخصوصیات اور آپ کے علوم اور اجتہاد کے بارے میں اور آپ رضی اللہ عنہ کے اجتہاد کے واقعات تو بہت ہی زیادہ ہیں لیکن اس فصل میں آپ رضی اللہ عنہ کی اچھی عادات کے چند گوشوں کو ہی بیان کریں گے

تنبیہ

امام بخاری نے ایک باب باندھا

باب ذکر معاویة ۔

(باب ذکر معاویہ رضی اللہ عنہ جز:13،ص:52)

باب فی مناقب معاویہ نہیں کہا حالانکہ بقیہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لئے مناقب کا لفظ بولا لیکن آپ رضی اللہ عنہ کے فضائل ومناقب میں کوئی ایک روایت بھی قبول نہ کی کیونکہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں آپ رضی اللہ عنہ کے فضائل میں سے کوئی روایت ثابت نہ ہوتی تھی جیسے کہ ابن راہویہ نے بھی یہی کہا ہے۔

لیکن اس پر یہ اشکال ہوسکتا ہے کہ

اس وجہ کا اگر یہ مطلب ہے کہ امام بخاری کی شرائط صحت پر کوئی روایت پوری نہیں اترتی پھر تو اکثر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں روایات ایسی ہی ہیں جو امام بخاری کی شرائط پر پوری نہیں اترتیں۔

اگر یہ مراد نہیں (بلکہ یہ مراد ہے کہ کسی بھی لحاظ سے کوئی روایت صحیح ہے ہی نہیں) تو اس میں تو کوئی حرج ہی نہیں کیونکہ آپ رضی اللہ عنہ کے فضائل میں ایسی احادیث مبارکہ بھی آئی ہیں جو حسن ہیں حتیٰ کہ امام ترمذی کے نزدیک بھی حسن ہیں اس کی تصریح انہوں نے اپنی جامع الترمذی میں بھی نقل کیا ہے اور آگے اس کو بیان بھی کریں گے۔

اور وہ حدیث جو حسن لذاتہ ہو وہ حجت ہوتی ہے اور اس بات پر اجماع ہے بلکہ مناقب اور فضائل میں تو ضعیف حدیث بھی حجت اور قابل قبول ہوتی ہے۔ تو اب اس صورت میں اگر ابن راہویہ کی بیان کردہ بات کو اگر صحیح مان بھی لیا جائے پھر بھی امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے فضائل کے حوالے سے کوئی نقصان نہیں دے گی' اور نہ ہی معاملے میں کسی بھی حوالے سے کوئی نقصان نہ دے گی۔

اس کی کئی وجوہات ہوسکتی ہیں۔ چند ایک تو گزر چکی ہیں۔

مثال کے طور پر

آپ رضی اللہ عنہ زمانہ اسلام اور زمانہ جاہلیت دونوں میں ہی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے اچھے نسب والے شمار کیے جاتے تھے کیونکہ آپ رضی اللہ عنہ قریش کے اکابر لوگوں میں سے تھے اور بہت ہی قریب جا کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ رضی اللہ عنہ کا سلسلہ نسب ملتا تھا۔

عبد مناف میں جا کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جا کر آپ رضی اللہ عنہ کا نسب ملتا تھا۔

چنانچہ عبد مناف کے چار بیٹے تھے۔

1-ہاشم جو کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جد امجد تھے۔

2-مطلب جو شافعی کے جد تھے۔

3-عبد شمس جو کہ حضرت عثمان ذی النورین اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہما کے جد تھے۔

4-اور نوفل ان میں سے پہلے تین حقیقی بھائی تھے۔

جبکہ

ان میں سے پہلے دونوں کی اولادیں تو زمانہ اسلام اور جاہلیت میں بھی کبھی ایک دوسرے سے جدا نہ ہوئیں۔

جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ہم بنو ہاشم اور بنو مطلب ہیں کہ ہم تو زمانہ اسلام و جاہلیت میں بھی جدا نہ ہوئے۔

یہی وجہ ہے کہ جب قریش نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو سب وشتم اور وہ تکلیفات پہنچانے پر اتفاق و اتحاد کیا کہ ابھی تک کی تکلیفوں میں ان جیسی کوئی تکلیف نہ تھی تو بنو مطلب نے بنو ہاشم کا ہی ساتھ دیا اور شعب ابی طالب میں ان کے ساتھ ہی چلے گئے جب قریش نے ان کا محاصرہ کیا اور باہم حلف اٹھایا کہ نہ تو بقیہ قریش ان کے ساتھ کوئی بھی معاملہ کریں گے اور نہ ہی ان میں شادی کریں گے تو اس صورت حال میں بنو مطلب نے بنو ہاشم کو ہی اور ان پر آنے والے ہر تکلیف اور سب شتم کو خوش اسلوبی سے برداشت کیا اور بنو عبد شمس اور نوفل نے بقیہ قریش کو چنا اور یہ لوگ بھی شعب ابی طالب والوں کو تکالیف پہنچانے میں ان کے ساتھ مل گئے۔ اسی وجہ سے جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مال فی تقسیم فرمایا تو ان دونوں (بنو عبد شمس اور نوفل) کو اس سے محروم رکھا اور پہلے دونوں (بنو ہاشم اور بنو مطلب) کو ہی اپنی نوازشات میں سے نوازا۔

کاتب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

آپ رضی اللہ عنہ کے فضائل میں سے ایک بہت ہی قابل ذکر بات یہ بھی ہے کہ

آپ رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتبین میں سے بھی تھے جیسا کہ مسلم وغیرہ نے اس کی صحت نقل کی ہے اور ایک حدیث حسن میں ہے کہ

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کتابت کیا کرتے تھے۔

(اباطیل وخرافات حول القرآن الکریم: ج:1،ص:49)

ابونعیم نے نقل فرمایا کہ

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتبین میں سے تھے، اور آپ رضی اللہ عنہ کی لکھائی انتہائی خوب صورت تھی۔ آپ رضی اللہ عنہ فصیح اللسان، حلیم و بردبار اور باوقار شخصیت کے حامل تھے۔

مدائنی نے کہا ہے کہ

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کتابت وحی کا کام کیا کرتے تھے اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اہل عرب کی طرف بھیجے جانے والے خطوط اور نامے تحریر کیا کرتے تھے جن میں وحی اور اس کے علاوہ دوسرے مضامین بھی ہوتے تھے۔ (احادیث یحتج بھا الشیعۃ: لا اشبع اللہ بطنہ: ج:1،ص:371)

لہٰذا آپ رضی اللہ عنہ اپنے رب عزوجل کی وحی پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے امین تھے اور اللہ تعالیٰ نے آپ رضی اللہ عنہ کو یہ عظیم الشان مرتبہ عطا فرمایا تھا۔

اسی وجہ سے قاضی عیاض مالکی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

ایک شخص نے حضرت معافی بن عمران سے سوال کیا کہ

حضرت عمر بن عبدالعزیز کا مقام و مرتبہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی بنسبت کتنا ہے؟

اس سوال پر آپ رضی اللہ عنہ کو بہت جلال آ گیا

اور فرمایا:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ کسی کو قیاس اور موازنہ نہیں کیا جا سکتا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ محترمہ حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے بھائی ہیں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہیں۔ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کاتب اور وحی پر آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے امین ہیں۔

(الانتصار للصحابۃ الاخیار فی رد اباطیل: ج:1،ص:91)

حضرت عبداللہ ابن مبارک رضی اللہ عنہ جیسی ہستی جن کی عظمت و جلالت، امانت اور عظیم لوگوں میں سے شمار ہونا مسلم ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ فقہ، ادب عربی، نحو، لغت، شعر، فصاحت، شجاعت، فروسیۃ (شہسواری میں مہارت کا فن)، سخاوت، فضل عظیم کے مجموعہ اور پیکر تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ اتنے زیادہ سخی تھے کہ ہر سال اپنے مال تجارت میں سے قراء کرام پر ایک لاکھ دراہم خرچ کیا کرتے تھے۔

اس کے علاوہ آپ رضی اللہ عنہ زہد و ورع، عدل و انصاف کا پیکر ہونے کے ساتھ ساتھ قائم اللیل بھی تھے اور اللہ تعالیٰ کی

رضا کے لئے کثرت سے حج کرتے، جہاد میں حصہ لیتے اور تجارت بھی اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے کرتے تھے اور مال تجارت میں سے اپنے احباب پر بھی اور دوسروں پر بھی کثرت سے خرچ فرماتے تھے۔

آپ رضی اللہ عنہ اپنی اس صفت سخاوت کی وجہ سے اکثر کہا کرتے تھے کہ

اگر پانچ لوگ نہ ہوتے تو میں کبھی تجارت نہ کرتا حضرت سفیان ثوری، ابن عیینہ، فضیل بن عیاض، ابن السماک اور ابن علیہ رحمۃ اللہ علیہم آپ رضی اللہ عنہ ان تمام کے ساتھ بہت زیادہ صلہ رحمی فرماتے تھے اور پانچ ایسی شخصیات ہیں جو علماء عاملین اور ائمہ وارثین کی پیشانیوں کا نور سمجھے جاتے تھے اور حضرت عبداللہ بن مبارک رضی اللہ عنہ ان پانچوں کی تمام ضروریات کو پورا کرتے تھے۔

الغرض

حضرت عبداللہ بن مبارک جو اتنی بڑی ہستی ہیں انہوں نے بھی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں ویسا ہی فرمایا جیسا کہ حضرت معافی بن عمران رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔

(جیسا کہ پیچھے گزر چکا ہے)

چنانچہ کسی نے آپ سے پوچھا کہ

اے ابو عبدالرحمٰن! آپ کے نزدیک کون افضل ہے:

حضرت امیر معاویہ یا حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہما؟

تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

اللہ تعالیٰ کی قسم! نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت کے دوران حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے گھوڑے کی ناک میں جو غبار داخل ہوا وہ غبار بھی حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ سے ہزار ہا درجہ بہتر اور افضل ہے۔

(الصواعق الحرقہ: فصل الثالث فی الاحادیث الواردۃ جز:2، ص:613)

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور نماز

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی شخصیت اتنی عظیم ہے کہ ایک بار نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھ رہے تھے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ فرمایا تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ (ہی وہ پہلے شخص تھے جنہوں) نے رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ کہا تو اس دن کے بعد آج تک ہی یہ سلسلہ عبادت اللہ عزوجل میں جاری ہے۔

اور جب حضرت عبداللہ بن مبارک رضی اللہ عنہ (جیسے شخص) جیسی شخصیت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ فرمار ہے ہیں کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی ذات نہیں بلکہ ان کے گھوڑے کی ناک میں داخل ہونے والی مٹی حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ سے ہزار ہا درجہ بہتر ہے (کیونکہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ صحابی ہیں اور یہ تابعی ہیں صحابی تابعی

سے افضل ہوتا ہے) تو بغض وعناد رکھنے والے شخص کے لئے اب کون سا شبہ باقی رہ جاتا ہے اور کون سی دراندازی والی صورت ہے جس کے ساتھ بے وقوف اور جھگڑالو شخص دلیل بنا سکتا ہے۔

فائدہ

حضرت عبداللہ بن مبارک رضی اللہ عنہ کی کرامات میں سے ایک بہت ہی مشہور بات یہ ہے کہ

حضرت ابن علیہ جن کی عظمت وجلالت مسلم ہے اور آپ حضرت عبداللہ بن مبارک رضی اللہ عنہ کے بہت ہی قریبی اصحاب میں سے تھے اور ابن مبارک ان پر بہت خرچ کیا کرتے تھے اور ان کو نفع پہنچایا کرتے تھے۔

ایک مرتبہ ہوا یوں کہ

جب آپ رضی اللہ عنہ نے ہارون الرشید کے کہنے پر عہدہ قضا سنبھالا تو ابن مبارک نے آپ رضی اللہ عنہ سے قطع تعلقی کر لی اور آپ رضی اللہ عنہ پر خرچ کرنا بھی چھوڑ دیا۔ جب ابن علیہ آپ رضی اللہ عنہ کے پاس عذر بیانی کے لئے آئے تو آپ رضی اللہ عنہ نے ان کی طرف بالکل ہی التفات نہ کیا اور کوئی پرواہ نہ کی حتیٰ کہ اپنا سر اٹھا کر ان کی طرف دیکھا بھی نہیں حالانکہ اس سے پہلے تو آپ ابن علیہ رضی اللہ عنہ کی بہت زیادہ عزت کیا کرتے تھے اور یہ فقط عہدہ قضاء کی نحوست اور اس کے انجام کار کی وجہ سے ایسا کیا۔

پھر حضرت عبداللہ بن مبارک نے ان کی طرف ایک خط یوں تحریر کیا کہ

اے اپنے علم کو ایسا باز بنانے والے
کہ جو بادشاہوں کے مال کا شکار کرتا ہے
تو نے دنیا اور اس کی لذت کے حصول کے لئے ایسا
حیلہ اختیار کیا جو تیرا دین ہی لے گیا
اس حیلے کے ساتھ تو مجنون ہو گیا
حالانکہ اس سے پہلے تو مجنون لوگوں کی دوا ہوا کرتا تھا
کہاں گئیں وہ تیری روایات جو حیلوں کو ختم کرنے کے بارے میں تھیں
اور بادشاہوں کے دروازے کو چھوڑ دینے کے بیان میں تھیں
کہاں ہیں وہ روایتیں جو تو گزشتہ دور میں
ابن عوف اور ابن سیرین سے روایت کیا کرتا تھا
اگر تو یہ کہے کہ میں مجبور ہوں تو یہ تو بے فائدہ بات ہے
(اور یوں ہی ہے جیسے) گدھے نے پھسل کر سارا علم مٹی میں ملا دیا (ہو)

جب حضرت ابن علیہ رضی اللہ عنہ کو ان اشعار کا پتہ چلا تو آپ رضی اللہ عنہ پر ان کا بہت اثر ہوا اور عہدہ قضاء سنبھالنے پر بہت ندامت ہوئی۔ اس کے بعد آپ رضی اللہ عنہ ہارون الرشید کے پاس گئے اور استعفیٰ لینے پر بہت زور دیا حتیٰ کہ آپ سے استعفیٰ منظور کر لیا گیا اور اللہ تعالیٰ نے آپ رضی اللہ عنہ کو اس عہدہ کی مصیبت سے چھٹکارا عطا فرمایا اور عافیت دی۔

اور ہوا یوں کہ

جب آپ رضی اللہ عنہ استعفیٰ دے کر واپس حضرت عبداللہ بن مبارک رضی اللہ عنہ کی مجلس میں گئے تو انہوں نے پھر ویسا ہی آپ رضی اللہ عنہ کا ادب کرنا شروع کر دیا اور نفقہ مال یعنی مال کا خرچ آپ پر پھر سے جاری ہو گیا۔

حجۃ الاسلام امام محمد بن محمد غزالی رحمۃ اللہ علیہ احیاء العلوم کے ایک حصہ کتاب آداب سفر میں نقل فرماتے ہیں کہ

ایک شخص نے حضرت عبداللہ بن مبارک رضی اللہ عنہ سے عرض کیا کہ

(سفر میں جاتے ہوئے) میرا یہ رقعہ بھی فلاں تک پہنچا دیں۔

تو آپ نے فرمایا:

(پہنچا دوں گا لیکن ٹھہرو) پہلے میں اونٹ والے سے اس کی اجازت طلب کر لوں کیونکہ میں نے (اپنے سفر کے ساتھ) اس رقعہ کے بارے میں معاملہ اور مشورہ نہ کیا تھا۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

دیکھو کس طرح آپ نے اقوال فقہاء (کہ جن میں اس جیسی چیز کی اجازت عام طور پر ہونے کی تصریح ہے ان اقوال) کی طرف التفات نہ فرمایا۔

ہو سکتا ہے کہ

آپ رضی اللہ عنہ سے تسامح ہو گیا ہو لیکن پہلو تہی کرتے ہوئے آپ نے ورع اور پرہیز گاری کے رستے کو اختیار فرمایا ہے اور اے مخاطب! تو جان سکے اللہ تعالیٰ تجھے اس چیز کی توفیق عطا فرمائے۔

اب ایسی شخصیت جن کا ورع پرہیز گاری اتنی انتہاء درجہ کی ہو اور قضاء جیسا عہدہ جو کہ دنیوی عہدوں میں خلافت کے بعد سب سے افضل کام ہے اس عہدہ کو قبول کرنے پر اپنے اصحاب میں سے خاص قریبی دوست سے اس طرح لڑائی کرنا بھی انتہاء تک ہو تو وہ شخصیت کس طرح یہ اجازت دے سکتے ہیں کہ کوئی شخص کوئی دلیل نہ ہونے کے باوجود حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کا موازنہ کرتے ہوئے بے معنی بات کرے اور فضیلت کی بات کرنے کی اجازت کیونکر دے سکتے ہیں۔ اگر اس بات پر کوئی دلیل نہ ہوتی تو جو بات اس نے کہی آپ ضرور اس معاملے میں اس کی چاہت کے مطابق ہی فرماتے اور اگر آپ اس معاملے کو اپنے اوپر واجبات میں سے سخت ترین نہ سمجھتے تو اس امر کی گہرائی میں نہ اترتے۔ لہٰذا تم بھی ہوش میں آؤ اور اس امر عظیم کے لئے اپنے آپ کو خالی الذہن کر لو

تاکہ

رشد و ہدایت حاصل کرو اور غنیمت جانتے ہوئے احتیاط اور غور و خوض کرو اور اپنی مخلوقات کی حقیقتوں کو اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے۔

آپ رضی اللہ عنہ کے فضائل میں سے درخشاں اور واضح فضیلت پر مشتمل ایک حدیث مبارکہ جسے ترمذی نے روایت کیا ہے اور حدیث مبارکہ کے بارے میں پھر کہا ہے کہ یہ حدیث مبارکہ حسن ہے۔

حدیث مبارکہ یوں ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے لئے دعا فرمائی

اور یوں گویا ہوئے کہ

اے اللہ عزوجل! اس (معاویہ) کو ہدایت یافتہ اور ہدایت دینے والا بنا۔

(جامع ترمذی: ص:547 طبع کراچی)

غور کرو اس حدیث مبارکہ میں کی گئی دعا میں کہ یہ دعا صادق و مصدوق ہستی نے فرمائی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی امت کے حق میں کی گئی دعائیں اور بالخصوص اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے حق میں دعائیں مقبول ہی ہیں رد نہیں۔

اور یہ بات یاد رکھو کہ

اللہ تعالیٰ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ دعا قبول فرمائی اور ان کو ہدایت یافتہ اور لوگوں کے لئے ذریعہ ہدایت اور ہدایت دینے والا بنایا۔ اب ایسی ذات جس میں اللہ تعالیٰ نے ہادی و مہدی ہونے کے دونوں درجات ہی رکھ دیئے ہوں تو اس ذات کے بارے میں وہ باتیں اور وہ عیوب کس طرح تصور کیے جاسکتے ہیں کہ جو باتیں باطل پرست اور بغض و عناد رکھنے والے لوگ کرتے ہیں۔

معاذ اللہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتنی عظیم دعا کہ جو دنیا و آخرت کی تمام بھلائیوں اور درجات کی جامع اور بددینی اور گمراہی کے ساتھ دین سے نکل جانے والے گروہوں کے منسوب کردہ نقائص سے مانع بھی ہو تو ایسی دعا تو اسی کے لئے ہی کر سکتے ہیں جس کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جانتے ہوں کہ یہ شخص اس دعا کے لائق اور اس کا صحیح حقدار ہے۔

(تطہیر الجنان واللسان عربی: فی فضائلہ ومناقبہ......ص:۱۱)

اعتراض

اگر یہ سوال پیدا ہو کہ حدیث میں موجود دو لفظ ہادی اور مہدی جب ایک دوسرے کے مترادف ہی ہیں (یعنی ہم معنی ہیں) یا ایک دوسرے کو لازم و ملزوم ہیں تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر دعا کرتے ہوئے ان دونوں کو جمع کیوں فرمایا؟

جواب

ہم کہتے ہیں کہ

یہ دونوں الفاظ ایک دوسرے کو مترادف اور متلازم نہیں لیکن کوئی دوسرا اس سے ہدایت حاصل کر لے ایسا نہیں ہوتا۔ یہ طریقہ عارفین کا ہے جو خلوت اور فقط عبادت کی غرض سے ایک جگہ سے دوسری جگہ سفر اختیار کرتے رہتے ہیں۔

دوسرا درجہ

اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ اس انسان سے دوسرے لوگ تو اصلاح پاتے ہیں لیکن وہ خود نیک نہیں ہوتا، ہدایت یافتہ نہیں ہوتا۔ یہ طریقہ ہے ان قصہ گو لوگوں کا جو مجمع میں قصے بیان کرتے ہیں اور لوگوں کے ساتھ تو اپنے معاملات درست رکھتے ہیں لیکن اپنے اور باری تعالیٰ کے مابین معاملات درست نہیں ہوتے اور میں نے ان دونوں میں سے ہر ایک جماعت و گروہ کو دیکھا۔

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اللہ تعالیٰ اس دین کی مدد تو فاجر لوگوں سے بھی فرمائے گا۔

(معجم الاوسط: من اسمہ جعفر 7:2،ص 356)

اس وجہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے لئے تعریف کے یہ دونوں مراتب جمع فرما دیئے کہ یہ اپنی ذات کے لحاظ سے ہدایت والے بھی ہوں گے اور لوگوں کے لئے ہدایت دینے والے بھی ہوں گے اور اس کے ساتھ ساتھ لوگوں کے لئے اخلاق اور اعمال کی بلندیوں کی طرف رہنمائی کرنے والے بھی ہوں گے۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور شیر کا خط لانا

آپ رضی اللہ عنہ کے فضائل و کمالات میں سے ایک بات یہ بھی ہے کہ

ایک روایت جس کی سند میں اختلاط کے علاوہ اور کوئی کمی نہیں پائی جاتی اور یہ بعض دوسرے راویوں کے ساتھ اختلاط ہے۔

روایت یوں ہے کہ

حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ مسجد اریحاء میں آرام فرما تھے کہ اچانک اٹھ کھڑے ہوئے دیکھا کہ ایک شیر آپ رضی اللہ عنہ کی طرف آ رہا ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے اپنا دفاع کرنے کے لئے اپنے پاس موجود ہتھیار نکالا

تو شیر آپ رضی اللہ عنہ سے کہنے لگا:

خاموش ہو جائیے! میں آپ رضی اللہ عنہ کی طرف ایک خط لے کر آیا ہوں تا کہ آپ رضی اللہ عنہ (لوگوں تک) پہنچا دیں۔

میں نے اسے کہا:

تجھے کس نے بھیجا ہے؟

تو شیر کہنے لگا کہ

مجھے آپ رضی اللہ عنہ کی طرف اللہ تعالیٰ نے بھیجا ہے تاکہ آپ رضی اللہ عنہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو بتادیں کہ وہ اہل جنت میں سے ہیں۔

میں نے پھر پوچھا کہ

کون معاویہ؟

تو اس نے کہا:

ابوسفیان کا بیٹا معاویہ (رضی اللہ عنہما)

(معجم الکبیر: من اسمہ معاویۃ رضی اللہ عنہ ج:19، ص:307)

اور یہ بات کوئی اتنی بعید من العقل تو نہیں کیونکہ شیر کا کلام کرنا آپ کی کرامت ہے اور کرامت کا ظہور ہم اہلسنّت کے نزدیک تو بالکل جائز اور ممکن ہے اگرچہ معتزلہ بددین ظہور کرامت کا انکار اور اس میں اختلاف کرتے ہیں، اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا اہل جنت میں سے ہونا تو ایسی بات ہے جس پر بہت سے دلائل گواہ ہیں اگر بالفرض ایسا نہ بھی ہو پھر بھی فقط نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا آپ رضی اللہ عنہ کے لئے یہ دعا ہی فرما دینا کافی ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ ہادی ومہدی ہوں گے۔ اس دعا کے بعد کوئی ایسی معیوب اور عجیب چیز تو رہے گی ہی نہیں جس کی وجہ سے اس حکایت میں کوئی طعن کا موقع رہے۔

(تطہیر الجنان والّسان: فی فضائلہ ومناقبہ..... ص:12)

حدیث نبوی میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا تذکرہ

ایک حدیث جس کی تخریج حافظ حارث ابن اسامہ نے فرمائی ہے

وہ روایت یوں ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ابوبکر میری امت میں سے سب سے زیادہ رقیق القلب اور بہت زیادہ رحم دل انسان ہیں پھر اسی طرح بقیہ خلفائے اربعہ کے مناقب وفضائل بیان فرمائے پھر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے ہی ایک دوسری جماعت کے مناقب بیان فرمائے اور انہیں میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا تذکرہ بھی فرمایا۔

اور یوں لبہائے مبارکہ جنبش میں آئے کہ

معاویہ بن ابوسفیان (رضی اللہ عنہما) میری امت میں سے بہت زیادہ حلیم وبردبار اور بہت زیادہ سخی شخص ہیں۔

(السنۃ للخلال: ذکر ابی عبدالرحمٰن: ج:2، ص:453)

اب ان دو عظیم اوصاف میں غور وفکر کرلو جن کے ساتھ اس حدیث مبارکہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاویہ

رضی اللہ عنہ کو متصف فرمایا۔

اور یہ بات بھی جان لو کہ

ان اوصاف حمیدہ کے سبب وہ مرتبۂ جلیلہ اور بلند کمال حاصل کیا جو آپ رضی اللہ عنہ کا ہی حصہ تھا۔ کیونکہ کسی بھی انسان کا بردبار ہونا اور سخاوت یہ ایسے دو عظیم اوصاف ہیں کہ جس میں یہ پائے جائیں تو اس شخص کے بارے میں یہ خبر دیتے ہیں کہ اس میں پیروی نفس اور خواہشات کے پیچھے بھاگنا نہیں پایا جاتا۔ پہلا وصف یعنی حلم تو یہ فقط وہی شخص ہی کرتا ہے جس کے دل میں رتی برابر بھی تکبر اور خواہشات نفس کی پیروی نہ پائی جاتی ہو ایسے شخص کے علاوہ حلم و بردباری کرنا کسی دوسرے شخص کے بس کی بات نہیں بالخصوص وہ شخص جو نفس کی تنگیوں اور غصہ کے فوارے کے بھڑکنے میں گرفتار ہو تو حلم ان لوگوں کا کام نہیں۔

یہی وجہ ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ

یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! مجھے کوئی وصیت فرمائیے۔

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

غصہ نہ کیا کر اور ہر بار وصیت کے لئے کہنے پر اسی بات کا ہی تکرار فرماتے رہے اور لا تغضب کے سوا کچھ مزید نہ فرمایا۔ اس بات کو علامت بناتے ہوئے کہ جب یہ شخص اپنے غصہ کے شر سے محفوظ ہو گیا تو نفس اور اس کی خواہشات سے پائی جانے والی خباثتوں کے شر سے بھی محفوظ رہے گا، اور جب کوئی شخص ان چیزوں سے بچ جائے تو پھر وہ تمام بھلائیوں اور آداب کے مراتب اپنے اندر موجود پاتا ہے۔

(تطہیر الجنان واللسان عربی: فی فضائلہ ومناقبہ......ص 12)

اور دوسرا وصف یعنی سخاوت (یہ کس طرح خواہش نفس کو مٹاتا ہے) دراصل دنیا کی محبت ہی تمام برائیوں کی جڑ ہے۔

جیسا کہ حدیث مبارکہ میں آیا ہے کہ

جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے دنیا کی محبت سے دور رکھا اسے حقیقی جود و سخاوت جیسی نعمت انعام فرمائی تو یہی اس بات کی علامت ہے کہ اس شخص کے دل میں رائی کے برابر بھی حسد کی بیماری موجود نہیں، اور نہ ہی وہ شخص کبھی اس فانی دنیا کی طرف متوجہ ہوگا اور نہ ہی ظاہری و باطنی بھلائیوں کو ختم کرنے والی کسی چیز میں مشغول ہوگا۔

اور جبکہ اس کا دل ان دو بڑی اور قبیح ترین بیماریوں سے پاک وصاف ہو گیا اور بالکل اخلاص حاصل ہو گیا بلکہ نہیں نہیں ان دونوں سے بڑھ کر زیادہ بری چیزیں تو غصہ اور بخل ہیں جو نقائص کی ماں (جڑ) اور خبیث ترین چیزوں کے ارادے پر ابھارنے والی ہیں تو جو شخص ان سے بھی محفوظ رہا تو یہ شخص پھر ایسا ہے کہ جو ہر کمال و بھلائی کے ساتھ متصف ہے اور ہر شر اور کج روی سے دور اور پاک وصاف ہے۔

اور جب ایسا ہو گیا تو ان دو کلمات سے یہی نتیجہ اخذ ہو گا کہ
میری امت میں سب سے زیادہ بردبار اور سخی شخص ہے۔
اور یہی دو الفاظ ہیں جو تمام اوصاف حمیدہ کے جامع اور تمام قبیحات سے مانع ہیں اور صادق و مصدوق ہستی یعنی وہ ذات جو خود بھی سچے ہیں اور ان کی سچائی کی تصدیق بھی کی گئی یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے لئے ان تمام بلندیوں اور مقام تک پہنچنے کی گواہی دی جس کی وضاحت ہم نے دو الفاظ کی شرح میں کر دی ہے اور آپ رضی اللہ عنہ تو اُن چیزوں کی طرف چلے ہی نہیں جو چیزیں بدعتی اور جاہل لوگ آپ رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کرتے ہیں۔
(تطہیر الجنان واللسان عربی فی فضائلہ ومناقبہ: ص:13)

اعتراض

اس حدیث مبارکہ کی تو سند ہی ضعیف ہے تو پھر اس کو کیسے حجت و دلیل بنایا جا سکتا ہے؟

جواب

وہ طریقہ اور اصول جس پر ہمارے ائمہ کرام، فقہاء کرام، اصولی اور حفاظ حدیث احباب چلے ہیں وہ یہی ہے کہ مناقب میں حدیث ضعیف بھی حجت ہوتی ہے اور اگر اس کے معاملے میں اجماع ہو تو پہلے اسے حجت بنایا جاتا ہے پھر قابل اعتماد لوگوں کے اجماع کے ساتھ فضائل اعمال میں حجت پکڑی جاتی ہے اور جب اس بات سے یہ ثابت ہو گیا کہ یہ فضائل اعمال میں حجت بن سکتی ہے تو پھر تو بغض وعناد رکھنے والے شخص کے لئے شبہ کی اور حاسد کے لئے طعن کرنے کی کوئی گنجائش نہیں، اور جب حدیث ضعیف کے بارے میں جو کلام کیا وہ مکمل اور پختہ ہو گیا تو اس کتاب میں یا کسی اور کتاب میں جہاں کہیں بھی کوئی ایسی حدیث ضعیف بیان کی جائے جس میں کسی صحابی وغیرہ کے مناقب بیان کیے گئے ہوں تو اس حدیث مبارکہ سے دلیل پکڑنا اور حجت بنانا درست ہے لیکن اصح مذہب کے مطابق اس کی شرط یہ ہے کہ اس کا ضعف اتنا زیادہ نہ ہو کہ اس کے راویوں میں سے کسی پر وضع حدیث کی نسبت کی جاتی ہو کیونکہ اگر ایسا ہو گا تو قطعاً مطلقاً اس سے حجت و دلیل درست نہیں۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے فضائل پر مشتمل ایک حدیث مبارکہ جس کو مُلّاً نے آپ کی سیرت میں نقل کیا اور محبّ طبری نے اس حدیث کو انہی سے ''ریاض'' میں نقل کیا کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

میرے امتیوں میں سے سب سے زیادہ میری امت پر رحم کھانے والے ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں اور سب سے زیادہ دین کے معاملے میں سختی فرمانے والے عمر رضی اللہ عنہ ہیں سب سے زیادہ باحیاء عثمان غنی رضی اللہ عنہ ہیں۔ فیصلے میں سب سے بڑے قاضی علی المرتضی رضی اللہ عنہ ہیں اور ہر نبی کے حواری ہوتے ہیں اور میرے حواری طلحہ اور زبیر (رضی اللہ عنہما) ہیں۔ جہاں بھی سعد بن ابی وقاص ہوں گے حق ان کے ساتھ ہو گا۔ سعید بن زید رضی اللہ عنہ ان دس عظیم میں سے ہیں جو رحمان کے محبوب

ترین ہیں۔ عبدالرحمان بن عوف رحمان کے تاجروں میں سے ہیں۔ ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے امین ہیں اور میرے راز دار معاویہ بن ابوسفیان (رضی اللہ عنہما) ہیں تو جس نے ان سے محبت کی اس نے نجات پائی اور جس نے ان میں سے کسی ایک سے بھی بغض رکھا تو وہ ہلاک ہو گیا۔

(الایضاح والتبیین لما وقع فیہ الاکثرون: کتاب الایضاح: جز:1،ص:210)

اب غور کرنا چاہئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو اس وصف کے ساتھ خاص فرمایا جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتب وحی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسرار الٰہیہ عزوجل اور تنزلات رحمانیہ پر امین ہونے کے مناسب ہے۔

یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں بہت ہی عظیم اور بلند مقام حاصل تھا کیونکہ کوئی بھی شخص کسی دوسرے کو اپنے رازوں پر اس وقت تک امین نہیں بناتا جب تک اسے کمالات کا جامع اور ہر قسم کی خیانت سے پاک نہ سمجھتا ہو اور یہی آپ رضی اللہ عنہ کی مناقب میں سے سب سے عظیم بات اور فضائل و کمالات میں سے اکمل ترین فضیلت ہے۔

ایک روایت جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ

آپ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ

حضرت جبرائیل علیہ السلام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئے

اور یوں عرض گزار ہوئے:

اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم امیر معاویہ (رضی اللہ عنہ) کو وصیت کرنے کا فرمایئے

بے شک وہ کتاب اللہ پر امین ہیں اور وہ بہت ہی اچھے امانت دار ہیں۔

(معجم الاوسط: باب من اسمہ علی رضی اللہ عنہ: جز:4،ص:175)

اس حدیث پر بحث

اس حدیث مبارکہ کے تمام راوی صحیح ہیں فقط ایک میں تھوڑی سی نرمی اور کمزوری ہے اور ایک دوسرے راوی اور ان کے بارے میں حافظ ہیثمی فرماتے ہیں کہ

لا اعرفہ میں ان کو نہیں پہچانتا۔

اور یہ روایت جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے اس کی بات خود اپنی رائے سے تو نہیں کی جاتی لہٰذا اس کا حکم یہی ہوگا کہ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک مرفوع حدیث ہوگی اور ایک آدھ راوی کی اگر جہالت ہو بھی تو زیادہ سے زیادہ اس سے سند حدیث میں ضعف آئے گا اور اس کے بارے میں ہم قریب ہی کہہ چکے ہیں کہ حدیث ضعیف مناقب میں حجت ہوتی

ہے۔

ایک روایت آپ رضی اللہ عنہ کے فضائل میں سے یہ ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی زوجہ محترمہ ام المومنین حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے پاس حجرے میں داخل ہوئے۔

تو دیکھا کہ

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا سر حضرت ام المومنین رضی اللہ عنہا کی گود میں تھا اور آپ رضی اللہ عنہا ان کے بوسے لے رہی تھیں۔

یہ دیکھ کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

کیا تم اس سے محبت رکھتی ہو۔

اس پر آپ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا:

مجھے کیا ہوا کہ میں اپنے بھائی سے پیار و محبت نہ کروں۔

تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

بے شک اللہ عزوجل اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس سے محبت کرتے ہیں۔

(تاریخ مدینہ ودمشق: ذکر من اسمہ معاویہ رضی اللہ عنہ: جز:59،ص:89)

حدیث پر بحث

حافظ ہیثمی فرماتے ہیں کہ

اس کی سند میں ایک راوی ایسا بھی ہے جسے میں نہیں جانتا (یعنی مجہول ہیں) لہٰذا یہ حدیث مبارکہ ضعیف ہے اور یہ بھی گزرا ہے کہ یہ مناقب میں حجت بن سکتی ہے۔

آپ رضی اللہ عنہ کے فضائل میں سے ایک یہ بھی ہے کہ

آپ رضی اللہ عنہ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مصاہراتی (سسرالی) رشتہ بھی حاصل ہونے کا شرف عطا ہوا وہ اس طرح کہ ام المومنین ام حبیبہ رضی اللہ عنہا آپ رضی اللہ عنہ کی بہن تھیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ

میرے اصحاب اور سسرالیوں کو بلاؤ۔

اور فرمایا کہ

ان میں سے جس نے میری حفاظت کی تو اللہ تعالیٰ اس کا حافظ و ناصر ہے اور جس نے میری حفاظت نہ کی تو اللہ تعالیٰ اسے اپنی حفاظت کے بغیر ہی چھوڑ دے گا اور جسے اللہ تعالیٰ اپنی بغیر حفاظت کے چھوڑ دے تو اس شخص کے بارے میں خطرہ ہے کہ اللہ

تعالیٰ اسے اپنی پکڑ میں لے لے۔ اس کو امام احمد بن منیع نے روایت کیا۔

(الشریعۃ للآجری: کتاب فضائل معاویۃ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ جز:5، ص:216)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

میرے رب کی طرف سے یہ پختہ ارادہ ہے اور مجھ سے پختہ وعدہ لیا ہے کہ نہ تو میں کسی اہل بیت سے نکاح کروں گا اور نہ ہی اپنی بیٹیوں میں سے کسی کا نکاح کسی سے کروں گا مگر وہ تمام کے تمام جنت میں میرے رفقاء ہوں گے۔

اس حدیث مبارکہ کو حارث بن ابی اسامہ نے روایت کیا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

میں نے اپنے رب عزوجل سے ایک سوال مانگا کہ

یا اللہ عزوجل! میں اپنے امتیوں میں سے جس سے نکاح/شادی کروں اور جس سے شادی کروں اسے جنت میں میرا رفیق بنادے تو اللہ تعالیٰ نے میری یہ دعا قبول فرمائی اس کو بھی حضرت حارث رضی اللہ عنہ نے روایت فرمایا۔

اب اس فضل عظیم اور جاہ جسیم میں غور وفکر کرنا چاہئے جو اللہ تعالیٰ نے ہر اس گھر اور گھر والوں کو عطا فرمایا جن میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے شادی کی۔

اسی سے پتہ چلا کہ

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے گھر کو کیسی عطا سے نوازا اور پھر ان گھر والوں میں سے بھی سب سے زیادہ شرف وکمال اور عزت وفخر وجلال اور عظمت وملکہ حفظ اور اقبال تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو حاصل ہوا اور ان چیزوں کے ساتھ آپ رضی اللہ عنہ کو بقیہ سے بہت امتیاز اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا واضح قرب حاصل ہوا۔

اور اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا کہ

جس نے ان میں سے میری حفاظت کی تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے ساتھ ایک حفاظت کرنے والا فرشتہ مقرر ہوگا اور جس نے نہ کی تو اللہ تعالیٰ اسے یونہی بغیر حفاظت کے چھوڑ دے گا اور جسے اللہ تعالیٰ بغیر حفاظت چھوڑ دے تو قریب ہے کہ اسے اپنی پکڑ میں لے لے۔

(الامامۃ والرد علی الرفضۃ: اذا رایتم الذین یسبون اصحابی فالعنوھم: جز:1، ص:374)

اس فرمان پر بھی غور کرنا چاہئے تاکہ خود بھی بچو اور ہو سکے تو دوسروں کو بھی بچاؤ کہ ان لوگوں میں سے کسی ایک کی بھی عزت وآبرو میں غور وخوض نہ کرو کہ جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کے رشتہ مصاہرت کے لئے چن لیا اور ان کو اپنے نبی کے قرب کی حفاظت میں داخل فرمالیا۔ ان میں سے کسی ایک کے مقام ومرتبہ میں غور وخوض کرنا زہر قاتل اور تیز کاٹنے والی تلوار ہے اور جس شخص نے اس زہر میں سے کچھ تھوڑا سا چکھنے کی کوشش کی تو اس کو جلد ہی موت آجائے گی اور اس کی یہ غور وخوض کرنے والی گندی

عادت وشہوت ہر برائی کو کھینچ کر اس کی طرف لے آئے گی اور جس شخص کی پھر یہ حالت ہو جائے تو اللہ تعالیٰ بھی بے نیاز ہے ایسے شخص کی کوئی پرواہ نہیں کرتا چاہے جس وادی میں ہلاک ہو اور چاہے جس گمراہی کا بھی ارتکاب کرے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے غضب وجلال اور انتقام سے اپنے احسان اور کرم کے ساتھ بچائے۔

آمین (بجاہ النبی الامین صلی اللہ علیہ وسلم)

آپ رضی اللہ عنہ کے کمالات وفضائل میں سے ایک فضیلت یہ بھی ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود آپ رضی اللہ عنہ کو خلافت کی بشارت عطا فرمائی۔

امام ابوبکر ابن ابی شیبہ ایک حدیث روایت کرتے ہیں کہ جس کی سند حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ تک پہنچتی ہے۔

فرماتے ہیں کہ

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے کہ مجھے جب سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا کہ اے معاویہ (رضی اللہ عنہ) اگر تمہیں بادشاہی دی جائے تو احسن طریقے سے نبھانا۔ تو تبھی سے ہی میں ہمیشہ خلافت کی خواہش کرتا رہا۔

اور ابو یعلیٰ نے روایت کیا اس کی سند میں سوید نامی راوی ہے جس میں کچھ کلام ہے اگرچہ وہ کلام اثر انداز نہیں ہوگا۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

فرماتے ہیں کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے میری طرف اپنی نظر عنایت فرمائی

اور ارشاد فرمایا:

''اے معاویہ (رضی اللہ عنہ) اگر تمہیں کسی امر میں ولی عہد مقرر کیا جائے تو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنا اور عدل کرتے رہنا''۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ

اس کے بعد ہمیشہ مجھے یہ گمان غالب رہتا کہ ضرور بالضرور لازمی طور پر مجھے کسی معاملے میں مبتلا کیا جائے گا کیونکہ نبی غیب دان نے فرمایا تھا حتیٰ کہ ایک دن ایسا بھی آیا کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی طرف سے ولی عہد مقرر کیا گیا اور پھر اس کے بعد حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے جب خلافت چھوڑی تو مکمل اور کامل خلافت مجھے حاصل ہوگئی۔

(مسند احمد: حدیث معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ ج: 34، ص: 288)

اس روایت کو امام احمد نے بھی اپنی سند کے ساتھ روایت فرمایا لیکن اس میں ارسال ہے۔ جس کو ابو یعلیٰ نے اپنی سند کے ساتھ متصل کر دیا اور ان کے الفاظ کچھ یوں ہیں کہ

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

سرکار صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا کہ
وضو کرو، تو جب تمام نے وضو کرلیا تو سرکار صلی اللہ علیہ وسلم نے میری طرف نظر عنایت کی اور یوں لبہائے مبارک میں جنبش آئی کہ

اے معاویہ (رضی اللہ عنہ)! اگر تمہیں کسی امر میں ولی مقرر کیا جائے تو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنا اور عدل کرنا۔

(مسند ابی یعلی: حدیث میمونہ زوج النبی صلی اللہ علیہ وسلم ج:12، ص:305)

دوسری روایت بھی اسی کی مثل ہے جو گزر چکی ہے۔
طبرانی نے اوسط میں ایک روایت نقل فرمائی جس میں کچھ اضافہ بھی ہے کہ
(جب امارت ملے تو) اس کی اچھی چیزوں کو قبول کر لینا اور بری چیزوں سے دور رہنا۔

(مسند احمد: حدیث معاویۃ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ ج:34، ص:288)

امام احمد نے ایک دوسری سند حسن کے ساتھ بھی حدیث روایت کی ہے جو پہلی کے مطابق ہی ہے کہ
جب حضرت ابو ہریرہ زخمی ہوئے تو برتن (جس میں پانی تھا) حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اٹھایا اور اس سے پہلے یہ کام حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہی کیا کرتے تھے۔ برتن اٹھانے کے بعد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چلتے رہے اسی دوران ان کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو وضو کروانے کی سعادت حاصل ہوئی۔
تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو فرماتے ہوئے ایک یا دو مرتبہ ان کی طرف دیکھا
اور ارشاد فرمایا:
اے معاویہ (رضی اللہ عنہ) اگر ولایت اور بادشاہی ملے تو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنا اور عدل کرنا تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ

میں ہمیشہ گمان کرتا رہا کہ مجھے عنقریب ولی عہد بنایا ہی جائے گا اور ایک وقت ایسا آ گیا کہ مجھے ولی بنا دیا گیا۔

(مسند احمد: حدیث معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ ج:34، ص:288)

ایک حدیث مبارکہ جس کی سند صحیح ہے کہ
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں عرض کیا گیا کہ
یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! اس امت میں کتنے خلفاء ہوں گے۔
تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
بنی اسرائیل کے نقباء کی تعداد کے برابر یعنی (12) بارہ ہوں گے۔

(مسند احمد: مسند عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ج:8، ص:381)

اور بلاشک وشبہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ بھی انہی میں سے ہیں کیونکہ ائمہ دین متین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ بھی ان خلفاء میں شامل ہیں اور جیسا کہ پہلے حضرت عبداللہ بن مبارک رضی اللہ عنہ اور دوسرے بزرگان دین متین سے گزر چکا ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ، حضرت عمر بن عبدالعزیز سے افضل ہیں تو یقینی طور پر وہ بھی ان خلفاء میں شامل ہوں گے۔

(تطہیر الجنان واللسان: فی فضائلہ ومناقبہ.....ص:15)

اعتراض

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کس طرح ان بارہ (12) خلفا میں سے ہو سکتے ہیں حالانکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ رضی اللہ عنہ کی حکومت کو تو خلافت سے جدا فرمایا ہے۔

دلیل اس کی حدیث مبارکہ ہے کہ

جو صاحب سرّ رسول حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ سے کتاب الفتن میں ثابت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

سب سے پہلے تم میں نبوت (موجود) رہے گی پھر (میرے بعد) منہاج نبوت پر خلافت (راشدہ) قائم ہوگی اس کے بعد مملکت عاض (اس طریقہ نبوت سے جدا حکومت ہوگی) پھر جبری حکومت ہوگی پھر منہاج نبوت پر خلافت قائم ہو جائے گی۔

حبیب فرماتے ہیں کہ

جب حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کا دور خلافت آیا اور حضرت یزید بن نعمان بن بشیر آپ کے قریبی صحبت یافتہ لوگوں میں سے تھے میں نے ان کی طرف یہ حدیث مبارکہ لکھی اور خاص ان کو یاددہانی کروانی چاہی۔

تو میں نے ان سے کہا:

مجھے امید ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ مملکت عاض اور جبری حکومت کے بعد (منہاج نبوت پر) ہیں تو وہ میرے خط کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بارگاہ میں لے گئے اور جب ان کے پاس پڑھا تو آپ رضی اللہ عنہ نے اس کو پوشیدہ رکھنے کا کہا اور اس پر خوش بھی ہوئے۔

(مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ)

میں نے اپنی کتاب مختصر تاریخ الخلفاء کی ابتداء میں اس حدیث شریف کے تحت بہت کلام کیا ہے اس کی طرف رجوع کرنا چاہئے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلی خلافت سے حضرت حسن رضی اللہ عنہ تک کی خلافت مراد لی ہے وہ اس طرح کہ اس

خلافت کی مدت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بعد تیس (30) سال بتائی تھی اور تیس (30) سال کا آخری حصہ حضرت حسن کی ہی خلافت کا تھا اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت تو حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے خود اس عہدے کو چھوڑ دینے کے بعد تھی

الغرض اس تمام تقریر کا حاصل یہی بنتا ہے کہ

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت مملکت عاض (خلافت راشدہ سے جدا) تھی اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ان بارہ خلفاء میں سے نہیں ہیں۔

جواب

بات جو معترض نے کی اگر چہ ویسی ہی ہے لیکن یہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے معاملے میں غیر مضر ہے کیونکہ آپ رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں اتنے سنگین اور گھمبیر معاملات جمع ہوئے تھے کہ ان کی مثل خلفائے راشدین میں سے کسی کے دور میں ایسے معاملات نہ ہوئے تھے تو ان تمام مسائل کے جمع ہو جانے کی وجہ سے آپ رضی اللہ عنہ کے دور خلافت کو مملکت عاض فرمایا گیا اگر چہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو اپنے اجتہادات پر اجر و ثواب بھی حاصل ہوگا۔ اس حدیث مبارکہ کے تناظر میں کہ فرمان مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا مفہوم یوں ہے کہ

مجتہد جب اجتہاد کرے اور درست رائے تک پہنچ جائے تو اس کے لئے دوگنا اجر ہے اور اگر اجتہاد کرے اور خطاء ہو جائے تو اس کے لئے ایک اجر ہے۔

(المفصل فی شرح آیۃ لا اکراہ فی الدین: القاء ملتقی اہل الحدیث مع فضیلۃ الشیخ: ج:1، ص:330)

اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ بلا ریب و شک مجتہد ہیں تو جب آپ رضی اللہ عنہ نے ان اجتہادات میں خطا بھی کی تو پھر بھی آپ رضی اللہ عنہ کو اجر تو ملے گا ہی اور اس سے آپ رضی اللہ عنہ کی شخصیت میں کوئی نقص بھی نہیں آئے گا۔ اگر چہ ان تمام معاملات پر مشتمل ہونے کی وجہ سے آپ رضی اللہ عنہ کی مملکت کو عاض کہا گیا۔

اس کے بعد ایک حدیث مبارکہ نظر سے گزری جس میں اس بات کی صراحت موجود تھی کہ اگر چہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی حکومت ایک یا کئی اعتبار سے مملکت عاض تھی لیکن پھر بھی رحمت تھی اور اس حدیث مبارکہ کے الفاظ کچھ یوں ہیں کہ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اس امر (حکومت) کی ابتداء میں نبوت و رحمت ہیں پھر اس کے بعد خلافت و رحمت ہوگی پھر مملکت و رحمت ہوگی پھر امارت و رحمت ہوگی پھر اس کے بعد تو ایک دوسرے کو گدھوں کی طرح کاٹتے ہوئے آئیں گے تو اس وقت تم پر جہاد لازم ہے اور تمہارا افضل ترین جہاد سرحد کی حفاظت کے لئے سرحدوں پر پڑاؤ ڈالنا ہے اور افضل ترین پڑاؤ ڈالنے کی جگہ عسقلان ہے۔

(معجم الکبیر: عرباض بن ساریہ السلمی یکنی ابانجیح ج:18، ص:251)

اس حدیث مبارکہ کو طبرانی نے روایت کیا اور اس کے رجال تمام ثقہ ہیں اور جو بات میں نے پہلے کی تھی (کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صراحۃً رحمت قرار دیا ہے) اس میں بالکل واضح اور صریح ہے کیونکہ خلافت کے بعد جو مملکت اور بادشاہی تھی وہ حضرت سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ہی کی تھی جس کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے رحمت قرار دیا تھا لہٰذا آپ رضی اللہ عنہ کا دور ایسا دور تھا جس میں ایک لحاظ سے عض (یعنی منہاج النبوۃ سے علیحدگی) بھی تھی اور دوسرے لحاظ سے رحمت بھی ہے۔ لیکن ظاہری حالت کے اعتبار سے آپ رضی اللہ عنہ کے دور میں ''عض'' کے مقابلے میں رحمت زیادہ واضح اور اظہر تھی اور آپ رضی اللہ عنہ کے دور کے بعد حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کے دور کے علاوہ میں ''عض'' (یعنی علیحدگی) ہی اکثر وغالب رہی کیونکہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کا دور تو خلافت کبریٰ کے ساتھ ملحق تھا۔ اسی وجہ سے آپ رضی اللہ عنہ کو خلفائے راشدین میں شامل کیا جاتا ہے۔

اور حدیث صحیح سے ثابت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ہمیشہ میری امت کا معاملہ ٹھیک اور درست رہے گا حتیٰ کہ وہ بارہ (12) خلفاء گزر جائیں جو تمام کے تمام قریش میں سے ہوں گے۔

(صحیح مسلم: الناس تبع لقریش والخلافۃ فی قریش: ج:9، ص:333)

اور ایک دوسری روایت جس کی سند ضعیف ہے اس میں الفاظ یوں ہیں کہ

بارہ (12) والیان (حکومت وامارت) قریش میں سے نہ گزر جائیں کہ جن کو کسی دشمن کی دشمنی نقصان نہ دے گی۔

آپ رضی اللہ عنہ کے فضائل وکمالات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ ایک روایت میں جس کی سند کے تمام رجال ثقہ ہیں اگرچہ بعض کے اندر اختلاف بھی کیا گیا ہے۔

روایت یوں ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی معاملہ میں حضرات شیخین ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما سے مشورہ فرمایا اور ان دونوں سے ارشاد فرمایا کہ

مشورہ دو پھر دوسری مرتبہ دوبارہ فرمایا اور دونوں ہی دفعہ ان حضرات نے یہی کہا کہ اللہ عزوجل اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی بہتر جانیں تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو بلا بھیجا تو جب آپ رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ عالیہ میں حاضر ہوئے

تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اپنے معاملات اس (معاویہ رضی اللہ عنہ) کے پاس (حل کے لئے) پیش کیا کرو اور اپنے درمیان ہونے والے

معاملات میں اس کو گواہ بنایا کرو کہ یہ بہت ہی زیادہ امانت دار ہیں۔

(الشریعۃ للآجری: کتاب فضائل معاویۃ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ: جز:5،ص:154)

ان دو عظیم اوصاف میں غور وفکر کرنا چاہئے کہ جو خلافت کے لائق ہیں کہ ان اوصاف نے حضرت سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو اس کا اہل دیکھا۔

یہی وجہ ہے کہ

جب حضرت حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ نے عہدہ خلافت چھوڑ کر آپ رضی اللہ عنہ کے سپرد کر دیا تو کسی نے بھی آپ رضی اللہ عنہ کے بارے میں طعن وتشنیع کا ایک لفظ بھی نہ بولا' اور اگر کسی نے طعن بھی کیا تو وہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے اس عہدہ سے نزول کرنے سے پہلے تھا کیونکہ پہلے خلیفہ برحق حضرت علی رضی اللہ عنہ تھے اور ان کے بعد آپ رضی اللہ عنہ کے بیٹے حضرت حسن رضی اللہ عنہ تھے (الغرض خلافت کے معاملے میں کسی نے آپ رضی اللہ عنہ پر طعن وتشنیع نہ کی)

آپ رضی اللہ عنہ کے فضائل میں سے یہ بھی ہے کہ اور یہ ایک ایسی روایت ہے کہ جس کے راوی ثقہ ہیں چند ایک میں ارسال (مرسل ہونے) کا اختلاف ہے۔

روایت یوں ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے لئے دعا فرمائی کہ

اے اللہ عزوجل معاویہ (رضی اللہ عنہ) کو کتاب اللہ اور حساب کا علم عطا فرما اور اس کو تمام شہروں پر قدرت عطا فرما اور اس کو برے عذاب سے بچا۔

اور دوسری روایت میں یوں الفاظ ہیں:

اے اللہ عزوجل اسے کتاب اور حساب کا علم عطا فرما۔

(معجم الکبیر: عرباض بن ساریہ السلمی یکنی ابانجیح جز:18،ص:251)

اور آپ رضی اللہ عنہ کے فضائل میں سے اگلی بات یہ ہے کہ

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے آپ رضی اللہ عنہ کی تعریف ومدح فرمائی اور آپ رضی اللہ عنہ خلافت عمر رضی اللہ عنہ کے پورے دور میں ہی شام کے علاقے دمشق کے ولی مقرر رہے اور پھر اس کے بعد خلافت عثمان رضی اللہ عنہ میں بھی آپ رضی اللہ عنہ اپنے اس عہدے پر قائم رہے تو یہ منقبت عظیمہ ہی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے مناقب میں کافی وافی ہیں اور اس ذات کے لئے جن کے لئے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ جیسے عادل خلیفہ وسیع خطۂ ارض پر ولایت کے لئے راضی رہے اور ولایت بھی جاری رہی۔

اور جب اس بات میں غور کیا جائے کہ

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو معزول کر دیا حالانکہ وہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے کئی مراتب کے لحاظ سے افضل تھے اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو اپنے عہدے پر برقرار رکھا معزول نہ کیا تو اس سے پتہ چلا کہ

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو وہ خاص رفعت و بلندی عطا کی گئی تھی جو کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو عطا نہ کی گئی اور آپ رضی اللہ عنہ کے اندر ان عیوب میں سے بھی کوئی عیب پیدا نہ ہوا تھا جو اکثر حکومت حاصل ہونے کے بعد پیدا ہو جاتے ہیں ورنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ آپ رضی اللہ عنہ کو ولی عہد کبھی نہ بناتے اور اگر ولایت و حکومت حاصل ہونے کے بعد کوئی عیب بھی آ جاتا تو فوراً معزول کر دیتے اور اسی طرح آپ رضی اللہ عنہ کا معاملہ خلافت عثمانیہ میں بھی تھا۔

اس بات کی بھی تحقیق ہوئی کہ

جب بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں اطراف و کنارو والے کسی علاقے کی رعایا اپنے ولی کے بارے میں شکایت کرتی تو بھلے ہی وہ بڑے عہدے اور قدر و منزلت والا ہوتا یہ دونوں فوراً ہی معزول کر دیتے لیکن حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ان دونوں حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہما کے دور خلافت کے لمبے عرصے تک شام کے علاقے دمشق میں ہی رہے جہاں کا آپ رضی اللہ عنہ کو ولی بنایا گیا لیکن نہ تو آپ رضی اللہ عنہ کے بارے میں کسی نے شکایت کی حتیٰ کہ کسی نے بھی کسی قسم کے ظلم و ستم کی آپ رضی اللہ عنہ پر تہمت ہی لگائی۔

اس بات میں غور و فکر کرنا چاہئے تاکہ آپ رضی اللہ عنہ کی محبت و عظمت میں اعتقاد مزید پختہ ہو اور آپ رضی اللہ عنہ کی شان میں ہر قسم کے بغض و عناد اور بہتان سے محفوظ رہا جا سکے۔

دمشق میں آپ رضی اللہ عنہ کی ولایت کا سبب یہ تھا کہ

جب حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے خلافت سنبھالی تو آپ رضی اللہ عنہ نے کئی لشکر شام کی طرف بھیجے اور ان پر حضرت یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کو مقرر کیا اور یہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے بھائی تھے۔ تو ان کے ساتھ ساتھ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ بھی چلے گئے تو جب حضرت یزید رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا تو ان کی جگہ ان کے بھائی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو حکومت دی گئی۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے بعد جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا دور آیا تو آپ رضی اللہ عنہ اپنے دور میں شام کے اندر مستقل سلطنت اسلامیہ قائم کیے ہوئے تھے اور بعد میں آپ رضی اللہ عنہ نے مصر کو بھی ساتھ شامل فرما لیا پھر صفین کے دن دو فیصلوں کے بعد آپ رضی اللہ عنہ کی حکومت کو خلافت کا نام دیا گیا پھر جب حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے آپ رضی اللہ عنہ کے ساتھ مصالحت فرمائی تھی تو پھر آپ رضی اللہ عنہ سلطنت میں مستقل ہو گئے اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے جو دستبرداری کی تھی تو یہ اپنے اختیار اور رضامندی کے ساتھ کی تھی بلکہ آپ رضی اللہ عنہ کی بھرپور معاونت اور اتباع کے ساتھ مصالحت فرمائی تھی اور گمان یہ کیا تھا کہ اگر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ جنگ ہو جائے تو وہ ہی غالب آئیں

گے اور آپ رضی اللہ عنہ کے مصالحت کا سبب فقط اس بات کا خوف تھا کہ کہیں مسلمانوں کا خون رائیگاں یا ضائع نہ ہو جائے اور یہ بات آپ رضی اللہ عنہ اچھی طرح جانتے تھے کہ دو ایسے گروہ جو ایک دوسرے کے بالکل ہم پلہ ہیں یا قریب قریب ہیں تو ان میں جنگ ہو جائے تو اس وقت تک کوئی ایک نہیں جیت سکتا جب تک دوسرا فنا نہ ہو جائے اور دوسرے کی عزت وعظمت بالکل ختم ہو جائے' اور فقط مسلمانوں کے خون کی حفاظت وعظمت کو پیش نظر رکھتے ہوئے جنگ ترک کر دینا آپ رضی اللہ عنہ (حضرت حسن رضی اللہ عنہ) کے عظیم مناقب میں سے ہے جس پر خود ان کے جد امجد صلی اللہ علیہ وسلم نے منبر پر بیٹھ کر تعریف فرمائی تھی اور حاضرین کی موجودگی میں اس بات کی خبر دینے کے لئے بتایا تھا کہ پتہ چل جائے کہ ان سے مستقبل میں کیا کام رونما ہونے والا ہے اور کوئی جاہل یہ گمان نہ کر بیٹھے کہ آپ رضی اللہ عنہ کو اس صلح پر ابھارنے والی چیز آپ رضی اللہ عنہ کی بزدلی اور کمزوردلی تھی پس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ رضی اللہ عنہ کو اپنے ساتھ منبر پر بٹھائے ہونے کی حالت میں ارشاد فرمایا:

میرا یہ بیٹا سردار ہے اور عنقریب اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے مسلمانوں کے دو عظیم گروہوں میں صلح فرمائے گا۔

(اتحاف الجماعۃ بما جاء فی الفتن: باب الثناء علی الحسن بن علی رضی اللہ عنہ: 7: 1، ص: 195)

پس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں گروہوں کو اسلام میں برابر ہی فرمایا اور ان میں سے کسی ایک کی دوسرے پر فضیلت ذکر نہ فرمائی اور اس سے مقصود اس بات کی خبر دینا تھا کہ اصل ثواب میں دونوں ہی برابر ہوں گے۔

''اور اللہ ہی درست اعتقاد کی طرف ہدایت دینے والا ہے اور ناصبیت وشکوک وشبہات سے بچانے والا ہے''۔

الغرض جب حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ مصالحت فرمائی تو تمام لوگ آپ رضی اللہ عنہ کی بیعت پر جمع ہو گئے اور اس سال کو ''عام الجماعۃ'' اجتماع کا سال قرار دیا اور اس دن کے بعد کسی نے بھی اس بارے میں اختلاف نہ کیا کہ یہ خلیفہ حق ہیں (یا نہیں)

آپ رضی اللہ عنہ کے فضائل میں سے یہ بھی فضیلت ہے کہ

ایک بار حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے آپ رضی اللہ عنہ پر کسی معاملے میں اعتراض کیا تو آپ رضی اللہ عنہ نے اپنے دفاع میں اتنے دلائل کا انبار لگا دیا کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو بھی اپنے اعتراض پر حیاء آنے لگی۔

ابن مبارک رضی اللہ عنہ نے سند صحیح کے ساتھ نقل فرمایا کہ

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ایک جماعت کے ہمراہ اس حال میں تشریف لائے کہ آپ رضی اللہ عنہ (حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ) ان تمام میں سے سب سے زیادہ حسین وجمیل تھے پس آپ رضی اللہ عنہ پھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے ساتھ حج کرنے تشریف لے گئے اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ان کی طرف دیکھ کر متعجب ہوئے۔

پھر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

مرحبا! آفرین، ہم تو لوگوں میں سے سب سے بہتر لوگ ہو جائیں گے جبکہ اللہ تعالیٰ ہمارے لئے دنیا و آخرت کی بھلائیاں جمع فرمادے۔

اس پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

اے امیر المومنین (رضی اللہ عنہ)! میں آپ رضی اللہ عنہ کو اپنے اجسام کی بہترین نشو ونما اور ہمارے چہروں کی خوبصورتی کے بڑھ جانے کی وجہ بتاتا ہوں کہ ہم گرم پانی والے چشموں اور سرسبز و شاداب زمین میں ہیں۔

تو یہ سن کر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ایسا کلام فرمایا جس کا خلاصہ یہ ہے کہ

نہیں بلکہ اس کا سبب فقط یہی ہے کہ خود تم کھانے پینے میں آسودگی کے ساتھ زندگی گزار رہے ہو اور محتاج لوگ تمہارے دروازے پر پڑے ہیں۔

پھر جب آپ رضی اللہ عنہ ''ذی طویٰ'' میں پہنچے تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ایک ''حلہ'' نکالا جس کی خوشبو انتہائی پاکیزہ تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے بہت ناپسند کیا اور ارشاد فرمایا:

کیا تم میں سے ایک شخص یوں حج کو نکلتا ہے کہ بکھرے بالوں والا اور غبار آلود کپڑوں والا ہوتا ہے حتیٰ کہ وہ اللہ تعالیٰ کے شہروں میں سے سب سے زیادہ حرمت والے شہر میں آتا ہے تو وہ اپنے کپڑوں کو یوں نکالتا ہے کہ گویا وہ خوشبو میں لتھڑے ہوئے ہوں اور ان کو پہن لیتا ہے۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

میں نے ان کو اس لئے پہنا کہ میں ان کے ساتھ ہی اپنے خاندان والوں کے پاس جاؤں۔

اللہ تعالیٰ کی قسم!

مجھے آپ رضی اللہ عنہ کی طرف سے یہاں بھی تکلیف پہنچی اور شام میں بھی۔

حضرت اسلم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے خاموشی اور اعراض اختیار فرمایا اور اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے کہ میں نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے چہرے پر حیاء محسوس کی۔ پس حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے وہ کپڑے اتار دیئے اور دوبارہ انہی کپڑوں کو زیب تن فرمایا جن میں آپ رضی اللہ عنہ نے احرام باندھا تھا۔

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے جب آپ رضی اللہ عنہ کا یہ قول سنا کہ

آپ رضی اللہ عنہ کی طرف سے مجھے یہاں بھی اور شام میں بھی تکلیف پہنچی۔

اس کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا سامنا کرنا مشکل ہو گیا اور آپ رضی اللہ عنہ ان سے حیاء کرنے لگ گئے تھے باوجود اس کے کہ آپ رضی اللہ عنہ اللہ تعالیٰ کے (دین کے) معاملے میں کسی ملامت کرنے

والے کی ملامت کا نہ ہی خوف رکھتے تھے اور نہ ہی خاطر میں لاتے تھے۔
(تطہیر الجنان واللسان: فی فضائلہ ومناقبہ.....ص:17)

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر کئے ہوئے اعتراض سے رجوع فرمالیا تھا کیونکہ انہوں نے اس میں اپنا عذر بیان کر دیا تھا کہ یہ کپڑے پہننے کا مقصد برا نہیں بلکہ اچھا ہے۔

اور وہ یہ ہے کہ

اپنے خاندان والوں کے پاس پروقار اور اچھے انداز میں جانا ہے اور یہ بات اصلاً محبوب ہے بلکہ اس کی تو تاکید کی گئی ہے۔

جیسا کہ احادیث مبارکہ میں وارد ہے کہ

جب بھی کوئی وفد سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہونے کے لئے آتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم بہت ہی اچھے اور خوب اجلے کپڑے زیب تن فرماتے۔ اپنی آنکھوں میں سرمہ لگاتے، عمامے کا تاج سجاتے، آئینے کو اپنا دیدار کرواتے اور جس چیز میں درستگی کرنی ہوتی درست فرماتے۔

ایک بار حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ

کیا یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) بھی؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ہاں عائشہ (رضی اللہ عنہا) کیوں نہیں کہ بے شک اللہ تعالیٰ خود بھی جمیل ہے اور جمال وخوبصورتی کو محبوب رکھتا ہے۔
(تطہیر الجنان واللسان عربی: فی فضائلہ ومناقبہ.....ص:18)

اس بارے میں کئی احادیث مبارکہ ہیں جن تمام کو ان کے مراتب ومعانی کے ساتھ اپنی کتاب ''در الغمامۃ فی العذبۃ والطیلسان والعمامۃ'' میں بیان کیا ہے۔

الغرض!

یہی وہ حدیث مبارکہ فعل نبوی صلی اللہ علیہ وسلم تھا جس کو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے مدنظر رکھا تھا اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے پیش نظر آپ رضی اللہ عنہ کی حالت پر فراوانی کا دیکھنا تھا حالانکہ محرم تو اشعث واغبر (بکھرے بالوں والا اور غبار آلود کپڑوں والا) ہوتا ہے۔

جیسا کہ فرمان مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہے۔

اور آپ رضی اللہ عنہ نے تجمل سے کسی چیز کا قصد کیا اس بات پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ مطلع نہ ہوئے اور بالفرض آپ رضی اللہ عنہ مطلع بھی تھے

تو ہوسکتا ہے کہ

آپ رضی اللہ عنہ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے یوں فرمایا ہو کہ

خاندان والوں سے ملنے کے لئے زیب وزینت اور تجمل احرام سے فارغ ہو کر (احرام اتار کر) بعد میں بھی ہو سکتی ہے۔

اس سے قبل اس کی حاجت نہیں۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی جو بات ہے یہ ہی سنت کے زیادہ مناسب اور حدیث مبارکہ کے زیادہ موافق ہے لیکن یہ بھی ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے جو بات پیش نظر رکھی تھی اس کا حکم اس حدیث مبارکہ سے مستثنیٰ اور جدا تھا کہ اپنے خاندان کی طرف جانے پر تجمل کرو تو اس وقت ہی تجمل کرنا زیادہ مناسب اگر چہ حالت احرام ہی ہو۔

اور ممکن ہے کہ اس کا جواب یہ دیا جائے کہ

اصول دین میں ایک قاعدہ ہے کہ نص میں کچھ صورتیں ایسی ہوتی ہیں جن کو کچھ تخصیص حاصل ہوتی ہے (اور اس خاصیت کی وجہ سے حکم سے استثناء حاصل ہوتا ہے) اور جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے کا اظہار ہوا تو اس پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے بھی اپنے سامنے جو قاعدہ تھا اس کے مطابق اپنا عذر بیان کیا ہو۔

اور جب آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا کہ

آپ رضی اللہ عنہ کی طرف سے مجھے یہاں اور شام میں بھی تکلیف پہنچی۔

تو ہوسکتا ہے کہ

وہ ایک قاعدے کے پیش نظر ہو کہ

ایک مجتہد کسی دوسرے مجتہد پر اعتراض نہیں کرتا (اس وجہ سے تکلیف پہنچی ہو) لیکن جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو ں بات پر تنبیہ کی گئی تو آپ رضی اللہ عنہ نے بھی حق کی طرف رجوع کرنے میں کمی نہ فرمائی اگر چہ اس میں غیروں کی طرح سب وشتم بھی شامل تھا۔

اور آپ رضی اللہ عنہ کے فضائل میں سے یہ بھی ہے کہ

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ رضی اللہ عنہ کی شان میں بہت زیادہ تعریفات کی ہیں۔

ابن سعد نے روایت کیا ہے کہ

ایک بار حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دربار میں حاضر ہوئے تو آپ رضی اللہ عنہ ایک "سبز حلے" میں ملبوس تھے جب آپ رضی اللہ عنہ آئے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ رضی اللہ عنہ کی طرف دیکھا تو تعجب خیز نگاہوں سے دیکھنے لگے۔ جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو یوں ان کی طرف دیکھتے ہوئے

ملاحظہ فرمایا تو درہ (کوڑا) لے کر انہیں مارنا شروع کر دیا۔

اور وہ آگے سے یہ کہہ رہے تھے کہ

اے امیر المومنین (رضی اللہ عنہ) اللہ تعالیٰ سے ڈریئے کس سبب سے، کس وجہ سے؟

تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ان سے کوئی بات نہ کی اور اپنی نشست گاہ کی طرف واپس آ گئے۔

اس پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ

آپ رضی اللہ عنہ نے اس جوان کو کیوں مارا جس کی مثل آپ رضی اللہ عنہ کی قوم میں موجود ہی نہیں یہاں قوم سے مراد یا تو عالمین ہیں

اور یہ بھی احتمال ہو سکتا ہے کہ

قوم سے مراد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے قوم قریش ہی مراد لی ہو۔

الغرض جو بھی مراد ہو یہاں مثل سے مراد نسب میں ہم مثل ہونا ہے۔

اس سوال کے جواب میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ

میں نے اس سے خیر و بھلائی کے علاوہ کبھی کچھ نہ دیکھا اور اپنے ہاتھ کو بلندی کی طرف لے جاتے ہوئے فرمایا کہ جب میں نے اسے اس حالت میں دیکھا تو ارادہ کیا کہ اسے نیچے کی طرف لے آؤں یعنی میں نے اس پر تکبر کی علامت دیکھی تو میں نے اسے ممکن حد تک تواضع و انکساری کی طرف نصیحت کرنے کا ارادہ کیا۔

(تاریخ مدینہ دمشق: ذکر من اسمہ معاویہ: ج:59، ص:115)

اعتراض

ابھی پچھلے واقعہ اور روایت میں تو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنی صفائی میں حلہ پہننے کی وجہ بیان کی تو پھر یہاں کیوں خاموش رہے؟

جواب

یہاں حضرت سیدنا امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے جو ردعمل تھا وہ مارنے کی صورت میں ظاہر ہوا تھا اور جب آپ رضی اللہ عنہ نے اجتہاد صحیح فرمایا تو کوئی اعتراض اور کسی قسم کے کلام کا جواز نہ رہا۔

اسی سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی تفقہ فی الدین میں مہارت و کمال اور علم و ادب میں ان کا بلند مقام پر فائز ہونا ظاہر ہو گیا۔

یہی وجہ ہے کہ

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کا مقابلہ بھی اسی کے ساتھ کیا جو وصف ان میں خصوصی طور پر پایا جاتا تھا حالانکہ وہ صحابہ

کرام رضی اللہ عنہم جو آپ رضی اللہ عنہ کی مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے اور مہاجرین وانصار کے سرداروں میں شمار کیے جاتے تھے (جیسا کہ اس پر آثار صحیحہ گواہ ہیں)

انہوں نے جب یہ کہا کہ

ان کی مثل تو آپ رضی اللہ عنہ کی قوم میں کوئی ہے ہی نہیں تو اس بات سے ایک اعتراض ہی کی طرف اشارہ کیا تھا لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواب میں یہ فرمادیا کہ میں نے ان سے ہمیشہ بھلائی ہی دیکھی ہے۔ یہ ساری بات اس شخص کے لئے جو اس میں غور وفکر کرے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی واضح تعریف اور منقبت ظاہرہ پر دلالت کرتی ہے کیونکہ یہ ساری بات حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور اس مجلس میں اکابرین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی موجودگی میں ہوا اور اس بات کی طرف ہمیں پہنچاتی ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ کی قوم میں آپ رضی اللہ عنہ کی مثل کوئی نہ تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نہ تو کبھی خود بھلائی وخیر کے علاوہ ان سے کوئی بات دیکھی اور نہ ہی کسی نے آپ رضی اللہ عنہ کے خلاف حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بارگاہ میں بھلائی کے علاوہ کوئی بات پہنچائی اور یہ روایات آپ رضی اللہ عنہ پر طعن وتشنیع کرنے والوں کی گردنیں کاٹ دیتی ہیں اور آپ رضی اللہ عنہ کی طرف غلط باتیں منسوب کرنے والے غالی اور عناد رکھنے والے لوگوں کے ظہور کو جڑ سے ختم کرنے والی ہیں۔

آپ رضی اللہ عنہ کے فضائل میں یہ بات بھی ہے کہ

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ لوگوں کو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی اتباع پر ابھارا کرتے تھے اور ترغیب دلاتے کہ جب لوگوں میں اختلافات اور فرقت واقع ہو تو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس شام کی طرف ہجرت کرنا۔

ابن ابی الدنیا نے اپنی سند کے ساتھ روایت بیان کی ہے کہ

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ

میرے بعد اختلاف اور اپنا اتحاد توڑنے سے بچنا اگر پھر بھی تم نے اتحاد توڑ دیا تو یاد رکھو معاویہ رضی اللہ عنہ شام میں ہوں گے (ان کے پاس چلے جانا) کیونکہ اگر تم ایک دوسرے کی رائے پر ہی کاربند رہے تو اس فتنہ پر غلبہ کیسے پاؤ گے۔

(تاریخ مدینہ دمشق ذکر من اسمہ معاویۃ رضی اللہ عنہ ج:59،ص:124)

مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ

میرے پاس ''الاصابۃ'' کا جو نسخہ موجود ہے اس میں اسی طرح ہی لکھا ہوا تھا۔

روایت پر بحث!

ظاہر ہے کہ لفظ ''کیف'' اس روایت میں ایسے فعل محذوف کا معمول ہے جس پر سیاق کلام دلالت کر رہا ہے اور ''یستبزھا'' کی ''ھا'' ضمیر ''فرقۃ'' کی طرف لوٹ رہی ہے۔ اب اس نحوی بحث کو مدنظر رکھتے ہوئے اس روایت کا معنیٰ یوں بنے گا کہ

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس بات پر ابھارا کرتے تھے کہ جب خلفائے راشدین کی وفات کے بعد ایک ایسا فتنہ آئے گا جس سے تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جدا جدا ہو جائیں گے تو تم امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف ہجرت کرنا اور ان کی عظمت رائے اور حسن تدبیر کی وجہ سے اس فتنے میں معاملہ ان کے سپرد کر دینا۔

آپ رضی اللہ عنہ کی عظمت رائے اور حسن تدبیر تو ایسی تھی کہ

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اس بات پر اتفاق تھا کہ عرب کے حکماء اور دور اندیش لوگوں میں آپ رضی اللہ عنہ کا شمار ہوتا ہے۔

اور فرقت واقع ہونے اور فتنے کا آگ تاپنے (فتنہ بھڑکنے) کے وقت صحیح اور درست رائے تک وہی پہنچتا ہے اور پہچانتا ہے کہ جس نے حکمت اور دور اندیشی پہلے ہی حاصل کر لی اور یہ دونوں چیزیں کمال عقل اور صحت تجربہ کے ساتھ آتی ہیں لیکن اس کے ساتھ ساتھ ان کے لئے بھی مکمل صلاحیت یا کچھ نہ کچھ صلاحیت ہونی بھی ضروری ہے مرتبہ علیہ کو پانے کے لئے۔

اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بھی ان لوگوں میں سے جو اس مرتبہ عظیمہ پر فائز ہیں جیسا کہ اس پر آپ رضی اللہ عنہ کے قرب زمانہ کے لوگ، آپ رضی اللہ عنہ کے فیصلے، آپ رضی اللہ عنہ کے تصرفات، آپ رضی اللہ عنہ کا حلم وحکمت گواہ ہیں۔ اسی وجہ سے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے انہی کے پاس چلے جانے کا حکم ارشاد فرمایا اور بقیہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو انہی کی طرف اس فتنہ کے تمام معاملات کو سپرد کرنے کی طرف رہنمائی کی کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اس فتنہ کو اپنی رائے کے ساتھ مٹا دیں گے لیکن اگر خود ایک دوسرے کی رائے پر عمل کرتے رہے تو اس فتنے میں ہی حیرت زدہ رہیں گے اور کامل طور پر اور اچھے طریقے سے اس فتنے سے خلاصی حاصل نہ کر سکو گے اور یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ظاہر و باہر کرامت تھی کہ پہلے ہی اس چیز کی خبریں دے دیں کہ عنقریب (میرے بعد) کیا ہونے والا ہے اور یہ کہ عنقریب امت کے تمام معاملات کی کنجیاں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں ہی ہوں گی اور اس کے علاوہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی عظیم مدح فرمائی۔ ان کے لئے قوت نفسانیہ کی گواہی دی۔ ان کے لیے ذکاوت، دور اندیشی اور باطنی امور پر اس علم وحکمت کی گواہی دی کہ جو ان ہی کا حصہ تھا اور ایسی حکمت پر گواہی دی کہ جو ہر چیز کو اس کے مقام میں رکھنے کا تقاضہ کرتی ہے اور فروع اور ان احکام میں اجتہاد کی گواہی دی کہ جو سخت گنجلکوں کی تنگیوں سے آنے والی مشکلات کی ہولناکیوں سے چھٹکارا دینے والے احکام ہیں۔

اور آپ رضی اللہ عنہ کے بارے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے تعریف وتوصیف اپنے ان الفاظ میں فرمائی کہ

میرے اور معاویہ رضی اللہ عنہ کے مقتولین تمام کے تمام جنتی ہیں۔

(معجم الکبیر: من اسمہ معاویہ رضی اللہ عنہ: ج:19، ص:307)

اسے طبرانی نے اپنی سند کے ساتھ اس حدیث مبارکہ کو روایت کیا چند ایک میں اختلاف کے علاوہ بقیہ تمام راوی ثقہ ہیں۔

اور یہ بات حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے ایسی صریح وواضح ہے جس میں تاویل کی گنجائش نہیں کہ اس میں یہ تاویل

کر لی جائے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ مجتہد تھے۔ ان میں اجتہاد تام کی تمام شروط پائی جاتی تھیں جس کی وجہ سے انہیں کسی دوسرے کی تقلید جائز نہ تھی بلکہ حرام تھی۔

کیونکہ اس بات پر اتفاق ہے کہ

کوئی بھی مجتہد کسی دوسرے مجتہد کی تقلید نہیں کر سکتا کہ یہ جائز نہیں۔ عام ازیں کہ وہ دوسرا مجتہد کسی مسئلے کے اندر اجتہاد میں پہلے کی مخالفت کرے اگر چہ وہ واضح ہو یا پھر اس کی موافقت کرے کیونکہ ہر مجتہد جو بھی حکم اخذ کرتا ہے تو اس کے پیش نظر دلیل شرعی ہوتی ہے نہ کہ کوئی اور چیز اور اس کو موافقت کا نام دیا جاتا ہے تقلید نہیں کہا جاتا۔

یہی وجہ ہے کہ

ہمارے ائمہ مجتہدین کو جن عبارات میں کسی قسم کا وہم ہوا تو انہوں نے اپنے اپنے اجتہاد کے اعتبار سے ان عبارات میں تاویلات کیں۔

چنانچہ

مبیع کا عیب سے پاک ہونے کے مسئلے میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا قول لیتے ہوئے تمام عیوب سے پاک ہونا شرط قرار دیا۔ فرائض و واجبات میں آپ رضی اللہ عنہ نے اکثر اقوال حضرت زید رضی اللہ عنہ کے لئے۔

تو مراد اس سے یہ لیں گے کہ

ان مسائل میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا اجتہاد ان دونوں حضرات کے موافق تھا۔

یہ نہ کہیں گے کہ

انہوں نے تقلید اختیار کی اگر چہ ایک مجتہد دوسرے مجتہد سے زمانے کے اعتبار سے مؤخر ہو لیکن پھر بھی تقلید جائز نہ ہوگی اگر چہ وہ مجتہد کوئی صحابی ہی کیوں نہ ہوں۔

اور جبکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول بالکل صریح اور واضح ہے تو اس میں پھر کسی قسم کی کوئی تاویل نہ کی جائے گی کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اپنے اجتہاد کی وجہ سے اگر چہ اس میں غلطی پر بھی ہوں جیسا کہ تمام مجتہدین کے بارے میں حدیث مبارکہ سے نص صریح موجود ہے کہ

جس نے اجتہاد کیا اور درست رائے قائم نہ کر سکا تو اس کے لئے بھی اجر ہوگا وہ اور اس کے متبعین مقلد اور اجتہادات میں اس کی موافقت کرنے والے سارے عنداللہ ماجور ہوں گے۔

(التحریر والتنویر، سورۃ الفاتحہ: جز: 1، ص: 197)

کیونکہ اکثر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور فقہائے تابعین نے آپ رضی اللہ عنہ کے اعتقاد کو درست مانتے ہوئے آپ رضی اللہ عنہ کی موافقت فرمائی تھی حتیٰ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ جو جنگ ہوئی اس میں بھی شریک ہوئے۔

اسی اجتہاد کی وجہ سے یہ کہا جائے گا کہ

آپ رضی اللہ عنہ کا یہ فعل حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کسی حسد وبغض اور ہرگز ہرگز کسی کا آپ رضی اللہ عنہ پر کسی طعن کی وجہ سے نہ تھا۔ بلکہ یہ فعل تو اس امر کی وجہ سے تھا جو آپ رضی اللہ عنہ کے دل میں ایسی دلیل کی وجہ سے پختہ ہو گیا تھا کہ جو دلیل آپ رضی اللہ عنہ کو اس طرف کھینچے لئے جا رہی تھی۔

مجتہد تو ہمیشہ اسی دلیل کا اسیر ہوتا ہے جو اس پر واضح ہو جائے اور اس کے لئے کسی بھی طرح اس دلیل کی مخالفت کرنا جائز نہیں ہوتا اسی لئے تو آپ رضی اللہ عنہ اور آپ رضی اللہ عنہ کے متبعین کو ثواب دیا گیا اگرچہ حق حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کے متبعین کے ساتھ تھا۔

اور اس بات پر غور کرنا چاہئے کہ

حضرت علی رضی اللہ عنہ خود مجتہد ہونے کے باوجود اپنے آپ کو حق پر اور معاویہ رضی اللہ عنہ کے اعتقاد کو درست رائے سے ہٹا ہوا جاننے کے باوجود یہی فرما رہے ہیں کہ

معاویہ رضی اللہ عنہ اور اس کے متبعین کو بھی ثواب ملے گا اور وہ تمام کے تمام جنتی ہوں گے۔

تو اسی سے پتہ چلا کہ

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جو بات فرمائی وہ بالکل صریح تھی جس میں تاویل کی کوئی گنجائش نہ تھی یعنی کہ اس روایت میں تاویل کر کے ہی یہ ثابت کیا جائے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے متبعین کو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جنگ کرنے پر ثواب ملے گا گناہ نہ ہوگا تو اس میں تاویل والی کوئی بات نہیں بلکہ یہ بالکل صریح ہے۔

اور آپ رضی اللہ عنہ نے ان کے ساتھ جنگ اس لئے کی کہ

باغی گروہ کے ساتھ قتال کرنا امام وقت پر واجب ہوتا ہے اور یہ لوگ بھی ایسے تھے کہ ان پر باغی کا نام درست تھا کیونکہ باغی کے لئے گناہ گار ہونا شرط تو نہیں بلکہ اس کے لئے غیر قطعی اور باطل تاویل کا ہونا کافی ہے۔

اسی وجہ سے ہمارے ائمہ فرماتے ہیں کہ

بغاوت، برائی کا نام تو نہیں ہے۔

امام شافعی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

میں نے باغیوں کے ساتھ قتال کے احکام حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اس فعل سے سیکھے جو آپ رضی اللہ عنہ نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ جنگ کی پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جو قول نقل کیا گیا وہ اس بات میں بھی صریح ہے کہ

اللہ تعالیٰ کے فرمان:

وَاِنْ طَآئِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۔

میں حضرت علی رضی اللہ عنہ وامیر معاویہ رضی اللہ عنہ اوران کے متبعین بھی شامل ہیں۔(رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ)

(تطہیر الجنان واللسان: فی فضائلہ ومناقبہ.....ص:20)

تنبیہ

جب بھی تو اولادِ علی رضی اللہ عنہ میں سے کسی ایسے سید سے اس مسئلے پر بات کرے جو اصول وقواعد کو جانتے ہوں اور احادیث کے قواعد وضوابط سے بھی پوری طرح واقف ہوں اور حق واضح ہو جانے پر اس کے آگے سر جھکانے والے ہوں تو جب ان سے بات کرنی ہو تو ان کے سامنے کلام اس طرح کا ہو جیسا کہ پیچھے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے گزرا یا اسی طرح اہلبیت کی دوسری ہستیوں کا کلام کیا جائے کیونکہ ان کا کلام ماقبل بیان کیے گئے دلائل سے زیادہ اثر انداز ہوگا۔

انہی میں سے ایک یہ ہے کہ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی تعریف فرمائی اور یہ خود اہل بیت میں سے ایک خاص مقام رکھتے ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خاص متبعین میں سے بھی ہیں۔

صحیح بخاری میں حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

وہ فرماتے ہیں:

میں نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے عرض کیا کہ

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ایک رکعت وتر پڑھتے ہیں۔

تو آپ رضی اللہ عنہ نے جواب میں فرمایا کہ

وہ خود فقیہہ ہیں۔(صحیح البخاری: باب ذکر معاویہ رضی اللہ عنہ: جز:12،ص:112)

دوسری روایت میں یوں جواب دیا:

وہ سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں رہ چکے ہیں۔

(صحیح البخاری: باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم جز:5،ص:2269)

اور یہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عظیم مناقب میں سے ہے۔

اس میں پہلی وجہ تو یہ ہے کہ

تفقہ مطلقاً خود ہی ایک عظیم مرتبہ ہے اسی وجہ سے سرکار صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے لئے دعا فرماتے ہوئے یوں کہا کہ

اے اللہ عزوجل! اسے دین کی سمجھ اور تفقہ عطا فرما اور اسے تاویل کا علم سکھا دے۔

(صحیح البخاری: باب وضع الماء عند الخلاء: جز:1،ص:248)

اور دوسری حدیث میں فرمایا:

جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے اسے دین کی سمجھ عطا فرماتا ہے۔

(صحیح البخاری: باب من یرد اللہ بہ خیرا یفقہہ فی الدین: جز: 1، ص: 39)

دوسری وجہ اس میں یہ ہے کہ

اس وصف عظیم کا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے صادر ہونا بھی عظیم بات ہے اور کیوں نہ ہو کہ خود آپ رضی اللہ عنہ کے بقول اس ہستی نے یہ الفاظ (کہ وہ فقیہہ ہیں) استعمال فرمائے کہ جن کا لقب حبر الامت (امت میں سب سے بہترین عالم) ترجمان القرآن ہیں۔

جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا کے بیٹے ہیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے چچا کے بیٹے ہیں۔

اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی زندگی میں بھی آپ رضی اللہ عنہ کی مدد ونصرت کے لئے کاربند رہے اور بعد وفات بھی کوشاں رہے۔ اس کے ساتھ ساتھ اس حدیث کی تصحیح بھی بخاری شریف سے ہے جسے اصح الکتب بعد القرآن کہا جاتا ہے اور جب یہ کلمات کئی روایتوں میں ثابت ہوگئے۔

اور مروی عنہ یہ الفاظ یہ ہیں کہ

بے شک معاویہ رضی اللہ عنہ فقیہہ ہیں۔

(اسد الغابۃ: معاویہ فی صخر بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ: ج: 3، ص: 27)

تو امت میں اصحاب اصول وفروع کا اس بات پر اجماع ہوگیا کہ یہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دور مبارک میں فقیہہ تھے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دور مطہرہ کے بعد والے ادوار میں آپ رضی اللہ عنہ مجتہد مطلق تھے اور یہ کہ آپ رضی اللہ عنہ پر واجب تھا کہ خود کے اجتہاد پر عمل کرتے اور کسی بھی حکم میں آپ رضی اللہ عنہ کے لئے دوسرے کی تقلید جائز ہی نہیں تھی جیسا کہ اس کی پوری بحث ابھی گزری ہے۔

یہ کلام تو اس بات میں تھا جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے گزرا کہ آپ رضی اللہ عنہ فقیہہ تھے لیکن اس سے پہلے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے جو گزرا کہ آپ رضی اللہ عنہ لوگوں کو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی اتباع پر ابھارا کرتے تھے تو وہ قول اس بات میں صریح ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ مجتہد تھے بلکہ اس میں تو یہاں تک واضح ہورہا ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ تمام مجتہدین میں اجل واعظم تھے اور اس سے پہلے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قول مبارک میں گزر چکا کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے مقتولین جنتی ہیں یہ قول تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے مجتہد ہونے میں بالکل ایسے صریح اور واضح ہے کہ جس میں کسی قسم کی تاویل کی گنجائش نہیں۔

تو جب یہ بات پکی ہوگئی کہ

حضرات عمر و علی اور ابن عباس رضی اللہ عنہم کا اس بات پر اتفاق ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ فقیہہ ہیں اور مجتہد ہیں تو وہ سارے طعن و تشنیع ختم ہو گئے کہ جو کوئی طعن کرنے والا کر سکتا ہے اور وہ تمام نقائص دور ہو گئے جو آپ رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کیے جاتے ہیں۔

اور جو بات حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے دوسری روایت میں موجود ہے کہ

آپ رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت پا چکے ہیں تو یہ بات حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی طرف سے حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ کے اس فعل پر زجر و توبیخ کے لئے کی گئی کہ جو آپ رضی اللہ عنہ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ایک رکعت وتر پڑھنے پر اعتراض کیا تھا۔

اور اس کا خلاصہ یہ تھا کہ

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت حاصل ہے اور اس صحبت کی ایک آن ہی کی برکت سے آپ رضی اللہ عنہ پر وہ اسرار و رموز واضح اور روشن ہو گئے کہ جس سے وہ علماء، فقہاء اور حکماء میں سے ہو گئے اور وہ اللہ تعالیٰ کے احکام میں اپنے معترضین سے زیادہ جانتے ہیں کہ انہیں کیا کرنا ہے، اور جب تم ان دونوں اوصاف میں غور و فکر کرو گے کہ جن کو بخاری شریف میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے صحیح قرار دیا گیا ہے تو اچھی طرح جان لو گے کہ کسی ایک کو بھی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے اجتہادات میں انکار و اعتراض کی کوئی گنجائش نہیں بنتی وہ اجتہادات کہ جب آپ رضی اللہ عنہ نے غور و فکر کیا تو آپ رضی اللہ عنہ کے لئے واضح ہوا کہ وہی حق ہے جس پر میں ہوں اور اس کے پیش نظر آپ رضی اللہ عنہ نے وہ کام کیا کیونکہ آپ رضی اللہ عنہ بھی امت کے دوسرے مجتہدین حضرات ہی کی طرح ہیں، اور مجتہد پر کوئی بھی اس کے کیے ہوئے فعل میں اس وقت تک اعتراض نہیں کر سکتا جب تک کہ اجماع یا واضح نص کی مخالفت نہ کرے۔ جیسا کہ یہ اصول ثابت شدہ ہے۔

اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے کبھی اجماع کی مخالفت ہی نہیں کی اور کرتے بھی کیسے کیوں کہ اجماع تو آپ رضی اللہ عنہ کے بغیر منعقد ہی نہیں ہو سکتا۔

اور یہ بھی ثابت ہے کہ

جس بات کو آپ رضی اللہ عنہ اپناتے تو اکثر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جماعت آپ رضی اللہ عنہ کی موافقت اختیار کرتی۔ اسی طرح آپ رضی اللہ عنہ واضح نص کی مخالفت بھی نہیں کر سکتے کیونکہ اگر مخالفت کرتے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جماعت آپ رضی اللہ عنہ کی موافقت کیوں کرتی۔

آپ رضی اللہ عنہ کی عظیم فقاہت پر جو چیز تنبیہ کرتی ہے وہ یہ روایت ہے جس کو ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔

روایت ہے کہ

ایک دفعہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ میں سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر اقدس پر خطاب کرنے کے لئے کھڑے ہوئے

اور ارشاد فرمایا:

اے اہل مدینہ! تمہارے علماء کہاں ہیں؟

میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

قیامت قائم نہ ہوگی حتیٰ کہ میری امت میں ایسا گروہ ظاہر ہوگا کہ وہ لوگوں پر یوں غالب ہو جائیں گے کہ وہ اپنی مدد چھوڑ دینے والوں اور مدد کرنے والوں کی کوئی پرواہ نہ کریں گے۔

(صحیح مسلم: باب قول لاتزال طائفۃ من امتی جز:12، ص:488)

یعنی کہاں ہیں تمہارے علماء ان سے اس حدیث کے معنیٰ پر بحث کرنا چاہتا ہوں۔ اس دور میں کہ جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین میں سے کثیر مجتہدین موجود تھے۔ اس طرح کی بات وہی کر سکتا ہے کہ جو دوسرے تمام فقہاء سے بھی زیادہ فقیہہ ہو اور علماء سے اجل ترین ہو، اور مدینہ شریف جس وقت عالم صحابہ کرام و تابعین کرام رضی اللہ عنہم سے بھرا پڑا تھا۔ تو اس وقت اس طرح کی بات وہی کر سکتا ہے کہ جو ان تمام کے ہم پلہ ہو۔

اور جو حدیث مبارکہ امام بخاری و مسلم نے روایت کی ہے

وہ یوں ہے۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اپنے پاؤں کی ایڑھیوں کے ساتھ مدینۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم میں خطاب کرنے کے لئے کھڑے ہوئے اور عاشورا کے دن کے موقع پر خطاب فرمایا کہ اے اہل مدینہ! تمہارے علماء کہاں ہیں۔

میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ

آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس دن کو عاشورا کا دن فرمایا کرتے تھے، اور تم پر اس دن کا روزہ اگرچہ واجب نہیں ہے لیکن آج میں روزے سے ہوں تو تم میں سے جو روزہ رکھنا پسند کرتا ہو تو وہ روزہ رکھے اور جو نہ رکھنا چاہے تو اس کو رخصت حاصل ہے۔

(صحیح البخاری: باب صیام یوم عاشوراء جز:2، ص:704)

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا یہ قول اس بات میں ظاہر ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ نے یہ سن رکھا تھا کہ کچھ لوگ عاشورا کے دن روزہ رکھنا واجب کہتے ہیں اور کچھ لوگ اسے حرام اور مکروہ کہتے ہیں۔

تو آپ رضی اللہ عنہ نے یہ ارادہ فرمایا کہ

لوگوں کو بتادیں کہ نہ تو یہ روزہ واجب ہے اور نہ ہی حرام و مکروہ اور بھرے مجمع میں آپ رضی اللہ عنہ نے خطاب فرمایا اور ان میں سے کسی ایک نے بھی آپ رضی اللہ عنہ کا رد نہ فرمایا تو اس سے آپ رضی اللہ عنہ کی عظیم فقہی وجاہت اور قوت اجتہاد ظاہر ہوتی ہے بلکہ اس کے ساتھ ساتھ آپ رضی اللہ عنہ کا عظیم مرتبے تک پہنچنا بھی ثابت ہوتا ہے۔

اور ایسا کیوں نہ ہو کہ آپ رضی اللہ عنہ نے تو مخالفین پر تعریض کلام میں مبالغہ کیا تا کہ وہ یوم عاشوراء کے بارے میں آپ رضی اللہ عنہ سے مناظرہ کریں۔ پس وہ خاموش ہو گئے اور کوئی ایک بھی ظاہری طور پر اور پوشیدہ طور پر آپ رضی اللہ عنہ سے مناظرہ کرنے پر قادر نہ ہو سکا اور سب خاموش ہو گئے۔

یہاں پر یہ اعتراض نہیں ہو سکتا کہ

آپ رضی اللہ عنہ کے سامنے سارے اس لئے خاموش رہے کیونکہ آپ رضی اللہ عنہ اس وقت خلیفہ تھے تو لوگوں کو اعتراض کرتے ہوئے آپ رضی اللہ عنہ کی طرف سے سختی ہو جانے کا ڈر تھا کیونکہ یہ تو ہم اس ذات کے بارے میں نہیں کہہ سکتے کہ جن کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

بے شک معاویہ (رضی اللہ عنہ) میری امت میں سب سے زیادہ حلیم و بردبار ہے۔

(تطہیر الجنان واللسان: فی فضائلہ ومناقبہ.....ص:22)

تو جس کے اندر اتنا بڑا وصف ہو تو اس کے بارے میں کسی کو ایک علمی مسئلہ میں گفتگو کرتے ہوئے کس طرح اس چیز کا خوف ہو سکتا ہے اور آپ رضی اللہ عنہ نے خود اتنے بڑے مجمع کے ساتھ مباحثہ کرنے کے لئے طلب فرمایا تھا۔

اور دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ

جو شخص آپ رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ جانتا ہے کہ جب خلیفہ ہونے کی ہی حالت میں ایک شخص نے آپ رضی اللہ عنہ کے منہ پر تھوک دیا تھا (اللہ تعالیٰ کی پناہ) تو آپ رضی اللہ عنہ نے اس پر بھی تحمل کیا۔

اور یہ فرماتے ہوئے اسے معاف کر دیا کہ

طاہر پر طاہر چیز ہی تو پڑی ہے۔

تو جب اس معاملہ میں آپ رضی اللہ عنہ تحمل کرتے ہیں تو ایک علمی مباحثہ جس میں مقصد بھی درست اور حق بات کو واضح کرنا ہے تو اس میں آپ رضی اللہ عنہ تحمل کیوں نہ فرمائیں گے۔ اگرچہ مباحثہ کرتے ہوئے جو باتیں عام طور پر ہوتی ہیں وہ اسے حاصل ہوں گی تو ہرگز ہرگز وہ لوگ نہیں خاموش ہوئے مگر اس وجہ سے کہ وہ جانتے تھے کہ آپ رضی اللہ عنہ ایسے فقیہہ و مجتہد ہیں کہ جن کا مقابلہ نہیں کیا جا سکتا اور ایسے بہترین عالم ہیں جن سے جھگڑا نہیں کیا جا سکتا' اور وہ بات جو آپ رضی اللہ عنہ کی تحقیق اور آپ رضی اللہ عنہ کے کمال اجتہاد پر دلالت کرتی ہے وہ روایت ہے جسے فاکہی نے ابن اسحاق سے روایت کیا ہے۔

وہ فرماتے ہیں کہ

مجھے حدیث بیان کی یحیٰ بن عباد نے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما سے اور انہوں نے اپنے والد سے روایت کیا کہ وہ فرماتے ہیں:

جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حج فرمایا تو ہم نے بھی ان کے ساتھ حج کیا تو جب آپ رضی اللہ عنہ نے بیت اللہ شریف کا طواف کیا تو مقام ابراہیم کے پاس دو رکعتیں ادا کیں پھر زمزم کے پاس تشریف لے گئے اور وہ صفا کی طرف نکل رہے تھے (صفا کی طرف جاتے ہوئے زمزم کے پاس تشریف لائے)

اور ایک غلام سے کہا کہ

میرے لئے اس کنویں سے ایک ڈول نکال۔

آپ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں (یعنی حضرت زبیر رضی اللہ عنہ)

اس نے کنویں سے ڈول نکالا اور آپ رضی اللہ عنہ کے پاس لایا پس آپ رضی اللہ عنہ نے اس سے پیا بھی اور اپنے چہرے اور سر پر بھی ڈالا اور جب آپ رضی اللہ عنہ زمزم شریف پی رہے تھے تو ساتھ ساتھ یہ بھی فرما رہے تھے کہ ماء زمزم شفاء ہے۔

(اجابات الشیخ عبدالرحمن البراک علی: ج:1، ص42)

تو اب اس پر غور کرنا چاہئے کہ حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہما جیسے بھرپور علم والے صحابی جن کی دوسرے لوگ پیروی کرتے ہیں تو وہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے افعال کو اپنی حجت بھی بنا رہے ہیں اور ان افعال میں آپ رضی اللہ عنہ کی اتباع بھی فرما رہے ہیں اور پھر آپ رضی اللہ عنہ کے اقوال پر بھی عمل فرما رہے ہیں اور ان کو نقل بھی کر رہے ہیں اور اس سے تم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو دیکھو گے کہ وہ اسی پر متفق ہیں کہ وہ سارے آپ رضی اللہ عنہ کے علم اور اجتہاد کا اعتراف کرتے ہیں۔

اور یہ بھی کہ

آپ رضی اللہ عنہ پر کسی طرف سے نہ تو کوئی اعتراض تھا اور نہ ہی آپ رضی اللہ عنہ نے دفاع فرمایا (یعنی کوئی متنازع شخصیت نہ تھے)

اور تحقیق بعض حفاظ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے اس کلام سے استدلال فرمایا ہے جو زبان زد عام ہے کہ جو آپ رضی اللہ عنہ نے پیتے وقت ماء زمزم کے بارے میں فرمایا تو یہ حدیث اصل اصیل ہے۔

اور یہ اس وجہ سے کہ

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا کلام سند حسن کے ساتھ ثابت ہے اور یہ اس حدیث مبارکہ سے واضح ہو رہا ہے اور یہ سند اس کی صحت پر حجت ہوگی کیونکہ صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم جب کوئی ایسی بات کرے جس میں عقل کو کوئی دخل نہ ہو تو وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک حدیث مرفوع کے حکم میں ہوتا ہے۔

اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا یہ قول بھی ماء زمزم کی حدیث میں حجت ہوگا۔

امام احمد سے ایک روایت میں ہے کہ

لما شرب منه

(العلاج بالرقی من الکتاب والسنۃ جز:1،ص:17)

حدیث حسن ہے۔اس کے علاوہ بھی محدثین کرام نے اس پر کلام فرمایا ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ

یہ حدیث فی نفسہ تو ضعیف ہے لیکن اس کے کچھ ایسے شواہد ہیں جو اسے حسن بنا دیتے ہیں اور کچھ اسے صحیح قرار دیتے ہیں۔

ان میں سے ایک تو یہ ہے کہ

یہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

دوسرا یہ کہ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے صحت کے ساتھ ثابت ہے اور موقوف ہے آپ رضی اللہ عنہ تک۔

تیسرا یہ کہ

اس طرح کی بات اپنی عقل و سمجھ سے کہی ہی نہیں جا سکتی تو اس وجہ سے اس کا حکم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک مرفوع کا ہو گا۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے جو بھی روایت گزری اس کو امام حاکم نے ایک شرط کے ساتھ مرفوع، صحیح کا درجہ دیا ہے۔

اور وہ یہ شرط ہے کہ

جارودی جو کہ اس حدیث مبارکہ کے راویوں میں سے ہیں اگر ان کی طرف سے اس پر اعتماد ہو لیکن ان کی طرف سے اس پر اعتماد نہیں اور خود وہ صدوق میں سے ہیں بشرطیکہ وہ منفرد نہ ہوں اور کبھی کبھی وہ ابن عیینہ سے تنہا روایت کرتے ہیں اور تفرد کی صورت میں ان کی روایت کو دلیل نہیں بنایا جا سکتا اور بنایا بھی کیوں جائے حالانکہ ثقات نے اس بات میں مخالفت کی ہے جب ابن عیینہ سے روایت کی جائے کیونکہ پھر وہ ابن عباس رضی اللہ عنہما پر موقوف ہو جائے گی مرفوع نہ ہو گی۔

ابی زمزم شریف کے بارے میں ایک روایت طیالسی سے ہے جو ابن ذر سے مرفوعاً روایت ہے کہ

بھوکے کے لئے کھانا اور بیمار کے لئے شفاء ہے۔

(صحیح مسلم: من فضائل ابی ذر رضی اللہ عنہ: ج:12،ص:1253)(کفایۃ المستزید کتاب التوحید للشیخ ج:1،ص:122)

اور اس کی اصل مسلم شریف میں ہے۔

اور اس کے بارے میں کہا گیا ہے کہ

اکابر متقدمین حفاظ میں سے ابن عیینہ نے اس کو صحیح کہا ہے اور اسی طرح متاخرین کے اکابر حفاظ میں سے منذری اور دمیاطی نے اسے صحیح کہا ہے اور اس کے صحیح، حسن اور ضعیف ہونے کے قول میں کوئی منافات نہیں ہیں۔

اور امام نووی جو خود متاخرین ائمہ میں سے صحیح اور ضعیف کے حفاظ ہیں ان سے بھی اس بات کی صراحت موجود ہے کیونکہ جنہوں نے اس کی صحت کا قول کیا تو انہوں نے اس کے صحیح شاہد کا اعتبار کیا جو پہلے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے گزرا اور جنہوں نے ضعیف کہا تو انہوں نے اس روایت میں کسی شاہد کا اعتبار کیے بغیر ہی محض نفس ذات کا اعتبار کیا۔

اس کے علاوہ بہت کثیر روایات میں آیا ہے کہ

زمزم شریف ہر بیماری کا علاج ہے۔

اور دوسرے طرق جن کا مجموعہ اسے حسن بنا دیتا ہے کہ

زمزم شریف سے سیراب ہو کر پینا نفاق سے آزادی ہے۔

ایک اور روایت میں ہے

فرمایا:

ہمارے اور منافقوں کے درمیان فرق کی علامت یہ ہے کہ وہ زمزم کو سیراب ہو کر نہیں پیتے۔

ایک اور روایت میں ہے

ہمارے اور منافقین کے درمیان فرق کی علامت یہ ہے کہ

منافق ماءِ زمزم کا ڈول کھینچتے ہیں اور اس سے سیراب ہونا چاہتے ہیں (پیٹ بھر کر پینا چاہتے ہیں) مگر منافق اس کے ساتھ پیٹ بھرنے کی طاقت ہی نہیں رکھتے۔

اور جس شخص کو علم نہ ہو تو اس کی طرف سے کوئی وہم واعتراض ہو سکتا ہے کہ زمزم شریف کی یہ فضیلت تو اس مقام میں بے سند ہو گی لیکن اس کی کوئی اصل موجود نہیں اور ہو بھی کیسے سکتی ہے کہ احادیث مبارکہ میں شواہد موجود ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت سہیل بن عمر رضی اللہ عنہ کو اسے بھیجنے کے لئے خط لکھا کرتے تھے اور فتح مکہ سے قبل مدینہ شریف میں زمزم بھیجنے کا اصرار فرماتے تھے۔

اس طرح ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اس کو بھر کر اٹھا لے جاتی تھیں اور خبر دیتی تھیں کہ

سرکار صلی اللہ علیہ وسلم بھی یوں فرمایا کرتے تھے اور اس سے برتن اور مشکیں بھر لیتے اور پھر بیماریوں پر بھی چھڑکتے اور دوسروں کو بھی اس سے پلاتے تھے۔

اسی طرح حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس جب مہمان آتے تو آپ رضی اللہ عنہ ان کو تحفے میں دیا کرتے تھے۔

اور حضرت عطاء رضی اللہ عنہ سے زمزم شریف بھر کر لے جانے کے بارے میں پوچھا تو آپ رضی اللہ عنہ نے جواباً ارشاد فرمایا:

ایسا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حسنین کریمین بھی کیا کرتے تھے۔

(تطہیر الجنان واللسان عربی: فی فضائلہ ومناقبہ......ص:23)

تنبیہ

بعض عوام نے یہ حدیث مبارکہ بعینہ بینگن کھانے والے کے لئے گھڑ لی اور بعض بے تکی باتیں کرنے والوں نے تو یہاں تک کہہ ڈالا کہ زمزم شریف والی روایت سے یہ حدیث زیادہ صحیح ہے حالانکہ یہ بالکل جھوٹ اور گمراہی ہے اور کیسے یہ گمراہی نہ ہو کہ یہ بینگن والی من گھڑت روایت تو نرا جھوٹ اور بے اصل ہے اور جس نے بھی اپنی طرف سے سند بیان کی اس نے بھی جھوٹ بولا۔

اور اسی طرح جس نے یہ روایت کیا کہ

بینگن کھانا شفاء ہے اس میں کوئی بیماری نہیں۔

اور حافظ الحدیث نے فرمایا:

یہ زندیق و بے دین لوگوں کی وضع ہے۔

اس باطل اور جھوٹ میں سے یہ بھی روایت کرتے ہیں کہ

بینگن کھاؤ اور اس کی کثرت کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے والا یہ پہلا پودا تھا۔

ایک روایت کا مفہوم یوں ہے کہ

بینگن کھاؤ یہ ایسا درخت ہے جسے میں نے جنت الماویٰ میں دیکھا ہے تو جس نے اسے بیماری اور تکلیف سمجھ کر کھایا تو اس کے لئے بھی یہ دوا ہے اور جس نے اسے دوا سمجھ کر کھایا تو اس کے لئے تو یہ دوا ہے ہی۔

امام بیہقی نے جرملۃ سے روایت کیا

وہ فرماتے ہیں کہ

میں نے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے سنا کہ آپ رحمۃ اللہ علیہ رات کے وقت بینگن کھانے سے منع فرماتے تھے اور یہ آخر میں جو ہے یہ اس کے لئے قید نہیں بلکہ طبی اعتبار سے اسے یوں کھانے سے منع فرمایا ہے تمام زمانے میں۔

حیرانگی کی بات یہ ہے کہ

اطباء کے محقق اور ان میں سب سے زیادہ سمجھ والا علی ابن نفیس اپنی کتاب الموجز جو عرب وعجم اور اس فن پر کتابیں لکھنے والوں کے نزدیک بہت عمدہ اور بہترین ہے اس میں انہوں نے حروف معجم (حرف جیم) کے تحت کئی کھانے والی چیزیں پھر ان کے فائدے اور نقصان بھی لکھے مگر بینگن کا کوئی بھی فائدہ نہ لکھا۔ نقصانات ہی گنوائے ہیں۔ اس بات میں بعض دوسرے اطباء نے بھی ان کی موافقت کی۔

اور اتنی قدر کہا کہ

اس کا ایک چھوٹا سا فائدہ یہ ہے کہ یہ ڈھیلی طبیعت میں امساک اور ٹھہراؤ پیدا کر دیتا ہے۔

یہ ساری بحث اگرچہ خارج از موضوع ہیں لیکن حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے جو روایت کی گئی تھی تو وہ اس طرف لے گئی جس کے ضمن میں بہت سے فوائد اور کئی نادر موتی ہاتھ آئے۔

اور میں نے اس کو اس لئے نقل کر دیا تا کہ

تو اس کو بھی یاد کر لے اور اسے بھی جان لے اللہ تعالیٰ زیادہ بہتر جانتا ہے۔

آپ رضی اللہ عنہ کے فضائل میں یہ بھی ہے کہ

آپ رضی اللہ عنہ کے والدین کے لئے بچپن ہی سے آپ رضی اللہ عنہ میں شرافت کے آثار ظاہر ہونا شروع ہو گئے تھے۔

اور یہ بھی کہ

اس کے لئے ضروری ہے کہ یہ بڑا ہو کر تمام لوگوں پر حکومت کرے گا اور ان کے جان و مال کا مالک ہوگا۔

چنانچہ ابو سعید مدائنی نے اس حدیث کی تخریج کی کہ

ابو سفیان نے اپنے بیٹے معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف اس کے بچپن میں دیکھا

اور کہا کہ

میرا یہ بیٹا اونچے سر والا ہے اور اسے اپنی قوم کی سرداری کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔

اس پر آپ رضی اللہ عنہ کی والدہ حضرت ہندہ رضی اللہ عنہا بولیں

کیا بس قوم قوم ہی پر؟

(المفصل فی الرد علی شبہات اعداء الاسلام: باب خامس شبہات حول السنۃ النبویۃ: ج7، ص45)

میں اس پر روؤں اگر یہ پورے عرب پر حکومت نہ کرے تو۔

امام بغوی نے بان بن عثمان رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی کہ

ایک بار بچپن میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اپنی والدہ کے ساتھ تھے کہ پھسل کر گر پڑے۔

تو والدہ محترمہ نے کہا:

اللہ تعالیٰ تجھے بلند نہ کرے، کھڑا ہو۔

تو ان کو ایک اعرابی نے کہا:

تو اسے ایسا کیوں کہہ رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی قسم! میں اسے دیکھ رہا ہوں کہ یہ اپنی قوم کا سردار بنے گا۔

تو آپ رضی اللہ عنہ کی والدہ نے کہا:

اگر یہ قوم کا سردار نہ بنے تو اللہ تعالیٰ اسے بلند نہ کرے۔
تو گویا کہ آپ رضی اللہ عنہ کی والدہ نے آپ رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ خبریں پہلے ہی کاہنوں سے سن رکھی تھیں۔
اس سے ہی ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ
میں نے کسی بھی حاکم کو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے بہتر نہ دیکھا۔
اسے امام بخاری نے اپنی تاریخ میں نقل کیا۔
اور اسی کے موافق وہ روایت ہے کہ
جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ شام میں داخل ہوئے اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو ان کے فوجی لشکر کی کثرت اور ان کے ملک کی شان وشوکت کو دیکھا تو بہت حیران وخوش ہوئے۔
پھر فرمایا کہ
یہ تو عرب کا کسریٰ ہے یعنی عظیم بادشاہی میں اور واضح عظمت وجلالت میں۔
(تطہیر الجنان واللسان عربی: فی فضائلہ ومناقبہ: ص:24)
پس اس شہادت میں غور وفکر کرنا چاہئے جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف سے تھی اور جو کچھ آپ رضی اللہ عنہ نے وہاں دیکھا اس پر راضی بھی رہے اور خوش بھی ہوئے اور یہی گواہی آپ رضی اللہ عنہ کے بارے میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی طرف سے بھی ہے حالانکہ وہ خود حضرت علی رضی اللہ عنہ کے گروہ میں تھے' اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ مل کر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ جنگ کرنے والے تھے اس کے باوجود آپ رضی اللہ عنہ نے آپ رضی اللہ عنہ کے حق میں کوئی تنقیص نہ کی اور نہ ہی آپ رضی اللہ عنہ کے لائق تعریف میں کچھ کمی کی بلکہ آپ رضی اللہ عنہ کی تعریف وثناء میں مبالغہ ہی کیا حالانکہ آپ رضی اللہ عنہ بھی فقیہہ اور مجتہد تھے۔ یہ سارا کلام اس بات پر دلیل ہے کہ
صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اگرچہ آپس میں جنگیں ہوئیں اور کئی لڑائیاں ہوتی رہیں لیکن پھر بھی وہ آپس میں ایک دوسرے کی محبت میں ہمیشہ گرفتار رہے اور ان میں سے جو بھی علیحدہ ہوئے ان کے عذر کو تسلیم کرتے تھے۔
اس سے قبل حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ قول بھی گزرا ہے کہ
حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے لشکر میں تمام مقتولین جنتی ہیں۔
(مجموعہ مؤلفات عقائد الرافضۃ والرد علیہا: تاملات فی نہج البلاغۃ: ج:93،ص:13)
اور آگے بھی ایک قول آئے گا کہ
آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:
ہمارے بھائیوں نے ہمارے ساتھ بغاوت کی۔

اور حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ جنہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ بھرپور جنگ کی۔ آپ رضی اللہ عنہ نے ان کے حق میں بھی یہ فرمایا کہ

میرا اور طلحہ رضی اللہ عنہ کا معاملہ ایسا ہے کہ

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَنَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ اِخْوَانًا عَلٰى سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِيْنَ ٥(۱۵: ۴۷)

تو جب میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے مکمل خبر پہنچادی تو اب کسی قسم کا کوئی بھی عذر تمہارے لئے نہیں ہونا چاہئے کہ تم صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) میں سے کسی صحابی پر اعتراض کرو اور وہ بھی ان کے درمیانی معاملات میں تو تم خود بھی متنبہ رہو اور لوگوں کو بھی تنبیہ کرتے رہو کیونکہ معترضین کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے کلام سے زیادہ نافع چیز اور کوئی بھی نہ ہوگی۔

آپ رضی اللہ عنہ کے فضائل میں سے یہ بھی ہے کہ

یہ روایت حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اس کے تمام راوی ماسوائے ایک کے صحیح حدیث کے راوی ہیں اور وہ ایک بھی ثقہ ہیں۔

فرماتے ہیں کہ

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تمہارے امیر کے علاوہ کسی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کے مشابہ نماز پڑھتے ہوئے نہیں دیکھا۔ یعنی معاویہ رضی اللہ عنہ کے علاوہ۔ پس اتنے جلیل القدر صحابی کی طرف سے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں اس عظیم منقبت کی شہادت میں غور کرو یہ آپ رضی اللہ عنہ کی عظمت فقاہت پر آپ رضی اللہ عنہ کے احتیاط پر اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادات مبارکہ پر توجہ رکھنے پر دلالت کرتی ہے بالخصوص نماز جیسی عبادت جسے افضل العبادات البدنیہ کہا جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف وصال میں سب سے زیادہ قریبی ہتھیار ہے۔

آپ رضی اللہ عنہ کے فضائل میں یہ روایت بھی نقل کی گئی ہے کہ

جب آپ رضی اللہ عنہ شام سے مکہ مکرمہ آتے ہوئے ''رابغ'' تک پہنچے تو آپ رضی اللہ عنہ نے عادیہ کے کنویں میں جھانک کر دیکھا جس سے آپ رضی اللہ عنہ کو ''لقوہ'' کا عارضہ ہوگیا آپ رضی اللہ عنہ نے اسے چھپالیا اور اسی طرح مکہ مکرمہ میں پہنچے پس آپ رضی اللہ عنہ کے پاس لوگ آئے تو آپ رضی اللہ عنہ نے اپنا سر لپیٹا ہوا تھا اور آپ رضی اللہ عنہ نے اپنا آدھا چہرہ عمامہ کے ساتھ ڈھانپا ہوا تھا اسی حالت میں آپ رضی اللہ عنہ باہر تشریف لائے اور خطاب فرمایا۔

اپنے خطاب میں آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ

اگر مجھے صحت دی گئی اور مصیبت و بلاء سے دور رکھا گیا تو یقیناً مجھ سے پہلے صالحین کے ساتھ یہ کیا جاچکا۔

اور مجھے امید ہے کہ

میں بھی ان میں سے ہوں گا اور اگر مجھے کسی آزمائش میں مبتلا کیا گیا تو تحقیق مجھ سے پہلے صالحین کو بھی آزمایا جا چکا اور میں ان میں سے ہونے سے ناامید نہیں ہوں۔ اگر میرا کوئی ایک عضو بیمار ہو جائے تو میں اپنے تندرست عضو کو بھی بیماری سے نہیں روک سکتا اور اگر تم میں سے بعض خواص لوگ مجھ سے ناراض ہو جائیں تو میں تمہارے عام لوگوں میں شامل ہو جاؤں گا اور میں اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ سے زیادہ کا اللہ تعالیٰ پر متمنی نہیں ہوں پس اللہ تعالیٰ میرے لئے عافیت کی دعا کرنے والے پر رحم فرمائے تو آپ رضی اللہ عنہ کے لئے دعا کرتی ہوئی آوازیں بلند ہونے لگیں۔ آپ رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو بھی رلا دیا اور خود بھی رونا شروع ہو گئے۔

اس پر مروان نے آپ رضی اللہ عنہ سے کہا کہ

کس چیز نے آپ رضی اللہ عنہ کو رلا دیا۔

اس پر آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

اس چیز نے جس سے میں دور ہوں میں بڑی عمر کا ہو گیا میں بوڑھا ہو گیا۔ میری آنکھوں میں آنسوؤں کی کثرت ہو گئی۔ لوگوں نے مجھ سے جس چیز کی امید کی میں نے اس سے زیادہ ان کی طرف لوٹایا اور یزید کے بارے میں میری خواہشات منزل مقصود نہیں دیکھتی ہیں۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے اس فصاحت و بلاغت سے بھرپور کلام میں غور و فکر کرنا چاہئے جو آپ رضی اللہ عنہ کے علم و معرفت پر دلالت کرتا ہے بالخصوص آپ رضی اللہ عنہ کا وہ پہلا کام کہ "لا رجـــوه" (یعنی میں صالحین میں سے ہونے کی امید کرتا ہوں)

اور دوسرا کلام کہ

"لا ایـــاس" اب ان دونوں مقامات پر ایک ہی کلام کرنے میں یہ فرق کرنا آپ رضی اللہ عنہ کے انتہائی خوف و رجاء پر دلالت کرتا ہے حالانکہ یہ دونوں ہی معنیٰ میں برابر ہیں جیسا کہ ہمارے نزدیک اصح ہے اور مریض پر اللہ تعالیٰ سے خوف کے مقابلے میں حالت رجاء طاری ہونی چاہئے یہی اولیٰ ہے۔

حدیث صحیح میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کی وجہ سے کہ

میں اپنے بندے کے میرے بارے میں کئے گئے گمان کے مطابق ہوتا ہوں تو مجھ پر خیر کے علاوہ اسے گمان نہ کرنا چاہئے۔ (المعجم الکبیر: من اسمہ واثلۃ: ج:22، ص:87)

اور دوسری روایت میں یہ ہے کہ

تم میں کوئی ایک بھی اس حالت میں نہ مرے مگر وہ اپنے رب عزوجل کے ساتھ حسن ظن رکھتا ہو۔

(شرح الصدور بشرح حال الموتی والقبور: مقدمۃ المؤلف: ج:1، ص:32)

یعنی یہ گمان رکھتا ہو کہ عنقریب اللہ تعالیٰ بخشش دے گا اور رحم فرمائے گا۔

اسی طرح آپ رضی اللہ عنہ کے دوسرے قول

وان کان مرض فی عضو من اعضائه

یعنی اگر میرے اعضاء میں سے کسی عضو میں بیماری ہو جائے......الخ

میں غور وفکر کرے تو اس کو بھی تو رضا بالقضاء میں اصل عظیم پائے گا بلکہ شکر میں بھی اصل عظیم ہے کیونکہ جب انسان کے اعضاء میں سے کسی عضو میں بیماری لاحق ہو جائے تو اس کے لئے مناسب یہی ہے کہ وہ اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر گزار بھی اور اس کی رضا پر راضی بھی رہے کیونکہ اگر چہ ایک عضو میں بیماری آئی ہے لیکن اس کے علاوہ کتنے ہی اعضاء ایسے بھی تو ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے بیماری سے محفوظ رکھا ہوا ہے اور یہ ایک تکلیف پر راضی رہنا چاہئے اور ان کثیر نعمتوں پر شکر ادا کرنا چاہئے تا کہ اس کا شمار بھی راضی بالرضا اور شاکرین میں سے ہو جائے جو کہ عارفین سے بھی افضل ہیں اور علماء عاملین سے زیادہ علم رکھنے والے ہیں۔

اور آپ رضی اللہ عنہ کا یہ فرمانا کہ

وجد من بعض خاصتکم...... الخ

اگر تم میں سے کوئی خاص مجھ پر ناراض ہو جائے۔

تو یہ کلام ایسا ہے کہ

جسے تو کمال فرمانبرداری اور تسلی کی انتہاء میں دیکھے گا یعنی کہ اگر فرض کر لیا جائے کہ تم میں خاص بندے مجھ پر غضب ناک ہوں تو ان کا غضب ناک ہونا مجھ پر کوئی اثر انداز نہ ہوگا کیونکہ دو ہی صورتیں ہیں اگر تو بغیر کسی وجہ کے ناراض ہیں تو پھر اثر نہ ہونا بالکل واضح ہے اور اگر کسی وجہ سے ہیں تو ممکن ہے مجھ سے کسی معاملے میں کوئی تسامح ہو گیا ہے کیونکہ میں اکثر تم میں سے عام لوگوں پر کچھ سختی کر دیا کرتا ہوں تو ہو سکتا ہے یہ اسی میں سے ہو۔

اس کے بعد آپ رضی اللہ عنہ کا یہ فرمانا کہ

فمالی ان اتمنی

یعنی میں اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ سے زیادہ کی تمنا نہیں کرتا۔

آپ رضی اللہ عنہ کے اس فرمان سے تو دو چیزیں بالکل ظاہر ہیں۔

ایک تو یہ کہ

اس میں اللہ تعالیٰ کی آپ رضی اللہ عنہ پر پے در پے نعمتوں کی کثرت کا اعتراف ہے۔

دوسرا یہ کہ

آپ رضی اللہ عنہ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو نعمتیں ملی ہیں ان پر قناعت کرنے والے ہیں اس سے زیادہ کی طلب پر

خاموش رہنے والے ہیں کیونکہ زیادہ کی طلب میں بھی نفس ابھارتا ہے اور ہر وہ چیز جس پر نفس ابھارے اور جس میں نفس کا حصہ شامل ہو اگر چہ بالقوہ ہی ہو اس کو چھوڑ دینا ہی مناسب ہے اور اس سے اعراض ہی کرنا چاہئے۔

آپ رضی اللہ عنہ کا اگلا فرمان

فرحم اللہ..... الخ

یعنی میری صحت یابی کے لئے دعا کرنے والے پر اللہ تعالیٰ رحم فرمائے۔

اس میں آپ رضی اللہ عنہ کی طرف سے کمال عاجزی کا اظہار ہے

اور اس بات کا اظہار بھی ہے کہ

آپ رضی اللہ عنہ کو اپنی رعایا کی دعاؤں کی بہت زیادہ احتیاج اور ضرورت ہے۔

اور یہ کہ

آپ رضی اللہ عنہ کو جو امور عارض ہوئے اور آپ رضی اللہ عنہ کافی ضعیف ہو گئے اور عاجز ہو گئے کہ اب آپ رضی اللہ عنہ کے لئے حکومت چلانے کی طاقت نہیں اور اپنی حاجات کی بھی قوت نہیں مگر اپنے رب عزوجل کی طرف سے عظیم قوت اور اعانت کے ساتھ۔

آپ رضی اللہ عنہ کا یہ فرمانا کہ

ولو لا ھوالی

اس فرمان میں آپ رضی اللہ عنہ کا اپنے نفس کے بارے میں انتہائی طور پر یہ بتانا ہے کہ میری یزید کے ساتھ زیادہ محبت ہے۔

ہدایت کا راستہ اس پر اندھا ہو گیا اور آپ رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد لوگوں نے اس فاسق بے دین کو ہلاکت میں ڈال دیا لیکن یہ قضاء تھی جو ضرور بالضرور ہونی تھی اور تقدیر تھی جسے ضرور پورا ہونا تھا۔ اسی وجہ سے آپ رضی اللہ عنہ کی عقل کامل اور وہ علم جو آپ رضی اللہ عنہ کی عظمت اور بڑائی کو شامل تھا اور لوگوں کے لئے ضرب المثل تھا مسلوب ہو گیا اور آپ رضی اللہ عنہ کے لئے یزید کی طرف سے حسن عمل، امر الٰہی عزوجل سے انحراف نہ کرنا اور کسی بھی معاملے میں خلل کا نہ ہونا ہی مزین کیا گیا جیسا کہ اس کی طرف صادق ومصدوق صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اشارہ فرمایا ہے کہ

جب اللہ تعالیٰ کسی امر کو نافذ فرمانا چاہے تو عقل والوں کی عقلیں لے لیا کرتا ہے حتیٰ کہ اپنا امر نافذ فرما دیتا ہے تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے بھی یزید کے لئے جو کیا اس میں آپ رضی اللہ عنہ معذور تھے کیونکہ آپ رضی اللہ عنہ کے سامنے تو اس میں کسی قسم کا کوئی نقص ثابت نہیں تھا بلکہ یزید اپنے باپ رضی اللہ عنہ کے سامنے سازش کر کے ایسے کو لاتا جو اس کے اچھے احوال بتایا کرتا حتیٰ کہ آپ رضی اللہ عنہ کو یہ اعتقاد ہو گیا کہ یزید ہی تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اولادوں سے بہتر ہے اور ان کے

بیٹوں سے اولیٰ ہے۔ اسی وجہ سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس کو بقیہ تمام پر مقدم کیا اس اولیت واولویت کی تصریح جانتے ہوئے جو آپ رضی اللہ عنہ کو اس شخص سے پتا چلی جو آپ رضی اللہ عنہ کے پاس یزید پلید کے فضائل بیان کرنے کے لئے لایا جاتا تھا اور آپ رضی اللہ عنہ نے اسے لوگوں پر اس لئے چنا کہ آپ رضی اللہ عنہ یہ گمان کرتے تھے کہ

لوگ اس کے ولی ہونے کو بغض وحسد کی وجہ سے ناپسند کرتے ہیں نہ کہ فسق وفجور کی وجہ سے۔

اور اگر آپ رضی اللہ عنہ پر اس کا کوئی ہلکا سا بھی ایسا معاملہ ظاہر ہو جاتا جس سے اس کے فسق کا پتہ چلتا بلکہ گناہ کے بارے میں پتہ چلتا تو ہرگز ہرگز اس کو ولی عہد مقرر نہ فرماتے۔ یہ تمام باتیں آپ رضی اللہ عنہ کے اس جامع مانع کلام پر دلالت کرتی ہیں کہ

آپ رضی اللہ عنہ نے جو فرمایا:

لو لا هو الى في يزيد ابصرت قصدى

کہ اگر یزید کے بارے میں میری خواہش نہ ہوتی تو میرا قصد ضرور بینا ہوتا۔

تو اس میں غور وفکر کرو تا کہ میں نے جو کچھ بھی ذکر کیا اس کا احاطہ کر لو اور اس کے علاوہ کلام میں جو کچھ رہ گیا ہے اس کو اشارات واعتبارات سے ہی سمجھ لو اور اللہ تعالیٰ ہی درست رستے کی طرف ہدایت دینے والا ہے اور ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ ہمارے لئے ایسی چیز کو مزین نہ فرمائے جو ہمارے لئے برہان ودلیل کی راہ سے انحراف کا سبب بنے۔

(تطہیر الجنان واللسان عربی: فی فضائلہ ومناقبہ.....ص:26)

آپ رضی اللہ عنہ کے فضائل میں سے یہ بھی ہے کہ

آپ رضی اللہ عنہ نے کثیر صحابہ کرام وتابعین کرام رضی اللہ عنہم سے احادیث نقل بھی کیں اور اجل صحابہ کرام وتابعین رضی اللہ عنہم نے بھی آپ رضی اللہ عنہ سے بہت احادیث مبارکہ نقل بھی کیں۔ چنانچہ آپ رضی اللہ عنہ نے حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور آپ رضی اللہ عنہ کی پیاری بیٹی ام المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے احادیث روایات کیں اور اجلۂ صحابہ وتابعین رضی اللہ عنہم میں سے اور فقیہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے حضرت عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن زبیر، جریر بجلی، معاویہ بن خدیج، سائب بن یزید، نعمان بن بشیر، ابوسعید خدری رضی اللہ عنہم اور حضرت ابوامامہ بن سہل نے احادیث نقل کیں (رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ) اس کے علاوہ کبار تابعین اور فقہاء تابعین رضی اللہ عنہم میں سے عبداللہ بن حرث بن نوفل، قیس بن ابوحازم، سعید بن مسیب، ابوادریس خولانی نے آپ رضی اللہ عنہ سے احادیث روایت کیں (رضی اللہ عنہم)

تابعین کے بعد والے دور میں عیسیٰ بن طلحہ، محمد بن جبیر بن مطعم، حمید بن عبدالرحمان بن عوف، ابومجلز، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام حمران رضی اللہ عنہم، عبداللہ بن محیریز، علقمہ بن ابی وقاص، عمیر بن ہانی، ہمام بن منبہ، ابوالعریان نخعی،

مطرف بن عبداللہ بن شخیر اور ان کے علاوہ دوسرے ائمہ اسلام نے آپ رضی اللہ عنہ سے احادیث مبارکہ روایت کیں۔ان ائمہ میں غور و فکر کرو جو ائمہ اسلام ہیں کہ ان بزرگان دین نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے احادیث روایت کیں ان میں غور و فکر کرنے سے پتہ چل جائے گا کہ آپ رضی اللہ عنہ مجتہد تھے یعنی مجتہد اور فقیہہ تھے۔

(تطہیر الجنان واللسان عربی: فی فضائلہ ومناقبہ.....ص:26)

تنبیہ

شیخ الاسلام والحفاظ جو کہ ایسی ہستی ہیں جن سے اکابر تابعین اور فقہاء تابعین میں سے مروان ابن الحکم نے روایت کی ان سے یہ روایت کی گئی کہ

اس بات میں اس روایت سے اشکال وارد کیا جاتا ہے کہ

آپ رضی اللہ عنہ کے بارے میں آیا ہے کہ

آپ رضی اللہ عنہ نے اہل بیت کو بہت زیادہ تکالیف دیں اور ہر جمعہ کو مدینہ شریف کے منبر پر حضرت علی رضی اللہ عنہ پر سب وشتم کیا کرتے تھے۔

اور حضرات حسنین کریمین رضی اللہ عنہما کے بارے میں یہ کہنا بھی منقول ہے کہ

تم اہل بیت کمزور اور حقیر ہو۔

اور اس کی مثل جو آپ رضی اللہ عنہ سے نقل کی گئی۔

اس کا جواب یہ ہے کہ

یہ آپ رضی اللہ عنہ سے پہلے تو ثابت ہی نہیں جیسا کہ عنقریب تم اس بحث سے جان لو گے جو آگے ذکر کریں گے کہ اگر آپ رضی اللہ عنہ سے اس طرح کی کوئی بات منقول ہے تو اس کی سند میں کچھ کچھ علت اور کمی ہے اسی وجہ سے امام بخاری اور ان کے علاوہ نے بھی روایت کیا لیکن محدثین نے اس کی تخریج نہیں کی۔

اور اگر آپ رضی اللہ عنہ سے اس بارے میں کچھ ثابت ہوتا تو حفاظ محدثین کرام اس کو ضرور نقل کرتے اور اس میں کچھ نہ کچھ کلام تو کرتے۔

اور بالفرض اگر مان بھی لیا جائے کہ

آپ رضی اللہ عنہ نے ایسا کہا تو اس کی انتہاء یہی ہے کہ روایت کرنے والا بدعتی تھا اور ایسا بدعتی شخص جو اپنی بدعت کی طرف لوگوں کو بلانے والا نہ ہو۔

اس سے روایت نقل کر لی جاتی ہے جیسا کہ امام بخاری نے اپنی صحیح بخاری میں بدعتیوں کی جماعت سے روایات نقل کی ہیں لیکن یہ آپ رضی اللہ عنہ کی ذات پر اثر انداز نہ ہوگی۔

آپ رضی اللہ عنہ کے فضائل میں یہ بھی آیا ہے کہ

آپ رضی اللہ عنہ نے امورِ غیبیہ کے بارے میں ایسی خبریں بھی دیں کہ بعد میں آپ رضی اللہ عنہ کے خبر دینے کے مطابق ہی ہوا اور یہ آپ رضی اللہ عنہ کی کرامت تھی۔

اس حوالے سے آپ رضی اللہ عنہ سے جو روایت کیا گیا وہ ایک روایت جس کے تمام راوی ثقہ ہیں

وہ یہ ہے کہ

آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ

بے شک اہل مکہ کی وجہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب مکہ مکرمہ سے تشریف لے جائیں گے تو پھر کبھی خلافت ان کی طرف لوٹ کر نہیں آئے گی اور جب اہل مدینہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیں گے تو خلافت ان میں بھی کبھی نہ آئے گی۔

اب آپ رضی اللہ عنہ نے اہل مکہ مکرمہ کے لئے جو حکم لگایا کہ اس فعل کے بعد کبھی ان میں خلافت نہ لوٹے گی تو دیکھ لو جیسا کہ آپ رضی اللہ عنہ نے خبر دی ویسا ہی ہوا۔

اس پر یہ اعتراض نہیں ہو سکتا کہ

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو بھی تو خلافت حاصل ہوئی اور وہ مکہ شریف میں ہی تھی۔

کیونکہ یہ مکمل نہ تھی وہ اس وجہ سے کہ شام، مصر اور اس کے علاوہ کئی علاقے مکمل طور پر آپ رضی اللہ عنہ کی ولایت سے خارج تھے۔

اور دوسری وجہ یہ ہے کہ

آپ رضی اللہ عنہ کی ولایت ابتداء ہی سے متنازع فیہ رہی اور ایک دن بھی آپ رضی اللہ عنہ کے لئے ترتیب نہ ہو سکی۔

اہل مدینہ کے بارے میں بھی جو آپ رضی اللہ عنہ نے حکم لگایا اس میں بھی غور کرنا چاہئے کہ جب وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیں گے تو خلافت ان کی طرف نہ لوٹے گی یعنی مدینہ منورہ میں نہ آئے گی اور مدینہ خلافت کا مسکن نہ بنے گا اور یہ فقط ان کے اس فعل پر سزا دینے کے لئے ہوگا جو انہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ کیا تو یہاں بھی معاملہ وہ ہی ہوا، جیسا آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا بلکہ یہاں تو صورۃً بھی خلافت قائم نہ ہوئی اور نہ ہی واپس ہوئی بخلاف مکہ مکرمہ کے کیونکہ اس میں پھر بھی کسی نہ کسی اعتبار سے کچھ نہ کچھ صورۃً خلافت قائم ہو گئی تھی اور اس کا اعتبار نہیں کیونکہ اسے علی الاطلاق خلافت نہیں کہا جائے گا تو اس سے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی اپنے قول میں سچائی پتہ چل گئی اور معاملہ بعینہ وہی ہوا جیسا کہ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا اور یہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی عظیم وجلیل کرامت ہے۔

اور خلاف عادت چیزیں اور کرامات کا ظہور بعید نہیں ہے اس ذات سے جس پر پورے عالم کی ظاہری باطنی تکالیف میں مدد فرمانے والے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر پڑی ہو اور ان کو شرف وکمال عطا فرمایا ہو۔

آپ رضی اللہ عنہ کے فضائل میں ایک روایت منقول ہوتی ہے کہ جس کے رجال سند میں اختلاف ہے کہ

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے زیادہ صاحب سیادت شخص نہیں دیکھا۔

اور یہ امام جلیل کی طرف سے اس بات پر شہادت تھی کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سیادت کی انتہاء کو پہنچ گئے تھے اور آپ رضی اللہ عنہ میں کمال کی تمام صفات موجود تھیں کیونکہ سیادت ان صفات پر ہی موقوف ہوتی ہے اور ان صفات میں حلم، علم اور کرم ضروری ہیں اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ان تینوں میں بہت ہی عظیم مقام پر فائز تھے۔

آپ رضی اللہ عنہ کے فضائل میں حضرت اعمش رضی اللہ عنہ سے روایت ہے اور اس سند میں تھوڑا سا ضعف ہے وہ یہ ہے کہ

آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ

اگر تم معاویہ رضی اللہ عنہ کو دیکھ لو تو ضرور بالضرور تم کہو گے کہ یہی مہدی ہیں۔

حضرت اعمش رضی اللہ عنہ اجلہ تابعین اور عالم تابعین میں سے ہیں تو ان کا اس بات کی گواہی دینا، امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے لئے عظیم مدح اور ثنائے جلیل کا تقاضہ کرتا ہے اور اس بات کی خبر دیتا ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ تمام امور میں حق مزید پر ہی عمل کرتے تھے جس کی طرف آپ رضی اللہ عنہ کو آپ رضی اللہ عنہ کا اجتہاد رہنمائی کرتا تھا اور آپ رضی اللہ عنہ کی نیکی اور سخاوت تمام لوگوں پر عام تھی جیسا کہ حضرت امام مہدی رضی اللہ عنہ ان اوصاف پر ہوں گے۔

آپ رضی اللہ عنہ کے فضائل میں ایک روایت آئی ہے کہ جس کی سند کے تمام راوی ثقہ ہیں۔

وہ روایت یوں ہے کہ

آپ رضی اللہ عنہ نے ایک بار جمعہ کا خطبہ دیا

تو فرمایا کہ

بے شک مال بھی ہمارا ہے اور فئی بھی ہمارا ہے ہم جسے چاہیں اس سے منع کر دیں تو آپ رضی اللہ عنہ کو کسی نے جواب نہ دیا۔ اگلے جمعہ میں پھر آپ رضی اللہ عنہ نے خطبہ کے دوران یوں ہی کہا پھر آپ رضی اللہ عنہ کو کوئی جواب نہ ملا پھر آپ رضی اللہ عنہ نے تیسرے جمعہ میں پھر ایسا ہی کہا:

تو ایک شخص کھڑا ہوا اور کہا کہ

مال بھی ہمارا ہے فئی بھی ہمارا ہے جو ہمارے اور اس کے درمیان آیا تو ہم اپنی تلواروں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اس کا محاکمہ کریں گے۔ آپ رضی اللہ عنہ اسی طرح اپنے خطبہ میں جاری رہے پھر جب اپنے مکان پر پہنچے تو اس آدمی کو بلا بھیجا۔

لوگوں نے کہا:

یہ بندہ تو گیا۔

پھر جب وہ بعد میں آپ رضی اللہ عنہ کے پاس حاضر ہوئے تو اس شخص کو آپ رضی اللہ عنہ کے ساتھ تخت پر بیٹھے دیکھا۔

آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

اس نے مجھے زندہ کیا اللہ تعالیٰ اسے زندہ فرمائے۔

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ

عنقریب میرے بعد کچھ امراء آئیں گے وہ کچھ بھی کہہ لیں لوگ ان کے آگے کچھ نہ بولیں گے اور وہ بن سوچے سمجھے آگ میں یوں کودیں گے جس طرح ٹڈیاں اور پتنگے کود پڑتے ہیں۔

(اتحاف الجماعۃ بما جاء فی الفتن: باب ما جاء فی ائمۃ السوء...... جز: 1، ص 224)

جب میں نے پہلے جمعہ یہ بات کی اور کسی نے جواب نہ دیا تو مجھے خوف ہونے لگا کہ میں بھی انہیں میں سے نہ ہو جاؤں پھر جب دوسرے جمعہ میں نے وہ بات کی اور پھر جواب نہ آیا تو میں نے انجام کار سوچ لیا کہ بے شک میں انہیں میں سے ہوں پھر جب میں نے تیسرے جمعہ وہی بات کی اور اس شخص نے کھڑے ہو کر مجھے جواب دیا تو اس نے مجھے ایک نئی زندگی دے ڈالی۔ اللہ تعالیٰ اسے بھی لمبی عمر عطا فرمائے۔

(اتحاف الجماعۃ بما جاء فی الفتن: باب ما جاء فی ائمۃ السوء...... جز: 1، ص 223)

اب اس عظیم منقبت میں غور وفکر کرنا چاہئے جو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ہی کا حصہ ہے کیونکہ کسی اور کے بارے میں ایسی روایات وارد نہیں تو اگر تم اپنے قصد میں اخلاص پاؤ اور اپنی توفیق کو حقیق پاؤ تو ضرور بالضرور آپ رضی اللہ عنہ کی اس بات کو اسی پر ڈھالو گے کہ تم آپ رضی اللہ عنہ کے کمال کے معتقد ہو جاؤ گے ان سے راضی ہو گے اور یہ جان لو گے کہ آپ رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنے ہوئے ہر قول پر اپنی قدرت وطاقت کی حد تک عمل کرنے پر حریص تھے اور آپ رضی اللہ عنہ اپنے نفس پر خوف کرنے والے لوگوں میں سے تھے کہ یہ نہ ہو۔

آپ رضی اللہ عنہ کے فضائل میں یہ بھی ہے کہ

آپ رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک سو تریسٹھ (163) احادیث مبارکہ روایت کی ہیں۔ جن میں سے چار احادیث مبارکہ تو امام بخاری ومسلم میں متفق ہیں۔ (4) چار امام بخاری نے تفرداً ذکر کیں اور (5) پانچ امام مسلم نے تفرداً ذکر کیں۔

یہ بھی آپ رضی اللہ عنہ کے فضائل میں سے ہے کہ

جب آپ رضی اللہ عنہ کی وفات کا وقت قریب آیا تو آپ رضی اللہ عنہ نے وصیت کی کہ مجھے اس قمیض میں کفن دیا جائے جو مجھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پہنائی تھی (عطا فرمائی تھی) اور وہ چیزیں بھی ساتھ رکھی جائیں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے

جسم اقدس کے ساتھ مس ہوئی ہوں اور آپ رضی اللہ عنہ کے پاس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ناخن مبارک کے کچھ تراشے موجود تھے تو آپ رضی اللہ عنہ نے وصیت فرمائی کہ ان کو باریک پیس کر میری آنکھوں اور میرے منہ میں ڈال دینا۔

اور فرمایا:

یہ سب کرنے کے بعد مجھے ارحم الراحمین کے سپرد کر دینا۔

اور جب آپ رضی اللہ عنہ پر نزع کا وقت آیا

تو آپ رضی اللہ عنہ نے کہا:

کاش میں قریش کا ایسا شخص ہوتا جسے کسی چیز کا اختیار نہ ہوتا اور میں کسی معاملے کی طرف توجہ نہ کرتا۔

یہ شان تھی اس کامل ہستی کی کہ جبکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم اقدس سے برکتیں لینے والی قمیض آپ رضی اللہ عنہ کے جسم سے مس ہونا اور آپ رضی اللہ عنہ کے منہ میں اور آنکھوں میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم اقدس کے تراشوں سے راحت حاصل کرنا آسان تھا پھر بھی ایسی باتیں کر رہے تھے۔

اس بات پر اتفاق ہے کہ

آپ رضی اللہ عنہ کی وفات دمشق میں ہوئی۔

اور مشہور یہ ہے کہ

ابھی رجب المرجب کی چار (4) راتیں باقی تھیں کہ 60ھ میں (82) بیاسی سال کی عمر میں آپ رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی۔

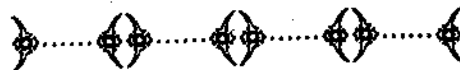
اور بعض نے کہا:

(78) اٹھہتر سال عمر تھی۔

اور کئی دوسروں نے کہا:

چھیاسی (86) سال عمر تھی۔

(معجم الکبیر: من اسمہ معاویۃ رضی اللہ عنہ ج:19، ص:304)



تیسری فصل

تیسری فصل ان اعتراضات کے جواب میں ہے جو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر کیے گئے ہیں۔ ان میں سے بعض اعتراضات ایسے ہیں جو محض بے جا واقفیت سے کئے گئے ہیں اور میں نے ان کو پچھلے بیان سے دفع بھی کر دیا ہے مگر یہاں پر دوبارہ ان کا جواب تفصیلاً فوائد زائدہ کے ساتھ دوں گا

پہلا اعتراض

امام مسلم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ

وہ ایک دن بچوں کے ساتھ کھیل رہے تھے اس حال میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے۔ پس وہ بھاگے اور چھپ گئے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جا کر ان کو پکڑ لیا اور (محبت سے) ان کے دونوں کندھوں کے مابین آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ مارا

اور ارشاد فرمایا:

جاؤ اور معاویہ (رضی اللہ عنہ) کو میرے پاس بلا لاؤ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

میں گیا

اور واپس آ کر عرض کیا کہ

وہ کھانا کھا رہے ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جاؤ اور معاویہ (رضی اللہ عنہ) کو میرے پاس بلا لاؤ۔

لہٰذا میں دوبارہ گیا

اور میں نے دوبارہ آ کر عرض کیا کہ

وہ کھانا کھا رہے ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اللہ تعالیٰ اس کے شکم کو سیر نہ کرے۔

(صحیح مسلم: من لعنہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم: جز: 13، ص: 4)

جواب

اس میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر کوئی اعتراض نہیں بنتا۔

پہلی وجہ تو یہ ہے کہ اس حدیث مبارکہ میں یہ مذکور نہیں ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہما سے کہا کہ

آپ رضی اللہ عنہ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بلا رہے ہیں اور انہوں نے آنے میں لیٹ کر دی ہو۔

بلکہ احتمال تو یہ ہے کہ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے چونکہ ان کو کھانا تناول فرماتے دیکھا اس لئے ان کو کہتے ہوئے شرم محسوس ہوئی کہ آپ رضی اللہ عنہ کو بلاؤں اسی لئے وہ دوبارہ واپس پلٹ گئے اور پھر انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جا کر عرض کر دیا کہ وہ کھانا تناول فرما رہے ہیں اور اسی طرح دوسری مرتبہ ہوا لہٰذا اس صورت میں اس بددعا کو اگر فرضی حقیقی پر محمول کیا جائے تو اس کا سبب یہ ہوگا کہ اتنی دیر تک کھاتے رہنا زیادہ کھانے پر دلالت کرتا ہے اور یہ عیب کی بات ہے علاوہ ازیں اس کے کہ اس بددعا میں کوئی دینی نقصان تو ہے ہی نہیں کیونکہ یہ بددعا صرف کثرت کھانے کی ہے۔

اور اس سے صرف یہ معلوم ہوتا ہے کہ

دنیا میں ان کو مشقت وتعب ہوگا نہ کہ آخرت میں اور جو چیز نقص اخروی پر دلالت نہ کرے وہ منافی کمال نہیں ہو سکتی۔

دوسرا یہ بھی احتمال ہے کہ

بالفرض اگر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا طلب فرمانا بھی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے بیان کیا ہو تب بھی یہ احتمال ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے یہ سمجھا ہو کہ اس ارشاد کی تعمیل فوراً مقصود نہیں ہے۔

ہاں اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کسی کو ایسے کام کے لئے بلائیں جس کے لئے اللہ تعالیٰ نے آپ رضی اللہ عنہ کو حکم دیا ہو تو اس کی تعمیل فوراً واجب ہوتی ہے اگرچہ جس کو بلایا جائے وہ فرض نماز میں ہی کیوں نہ مصروف ہو شاید حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو اس وقت یہ استثناء معلوم نہ ہو یا وہ اس کے قائل نہ ہوں' اور اس صورت میں وہ معذور ہوں گے۔

تیسرا یہ بھی احتمال ہے کہ

یہ بددعا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے بغیر قصد سے نکل گئی ہو جس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو فرمایا:

تیرے ہاتھ خاک آلود ہو جائیں۔

یا بعض امہات المومنین رضی اللہ عنہن کو فرمایا:

پاؤں کٹی ہوئی سر منڈی ہوئی۔

اور اس طرح کے الفاظ اہل عرب کی زبان سے عادۃً نکل جاتے تھے۔
علاوہ ازیں اس کے کہ ان کے معنیٰ مراد ہوں۔
چوتھا احتمال یہ ہے کہ
امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے خود اپنی صحیح میں اس بات کو بیان کر دیا ہے کہ
حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اس بددعا کے مستحق نہ تھے کیونکہ انہوں نے ایک باب باندھا ہے کہ وہ لوگ جن کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے برا کہا یا ان کو بددعا دی حالانکہ وہ اس کے مستحق نہیں تھے تو یہ ان کے لئے پاکی اور ثواب کی وجہ ہوگی۔ اس بات میں اس حدیث مبارکہ کو بھی ذکر کیا ہے۔
یہ جو امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا بالکل ظاہر ہے کیونکہ میں بیان کر چکا ہوں کہ اس میں بہت سے احتمالات ہیں۔
ممکن ہے کہ
حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے طلب فرمانے کی اطلاع ہی نہ ملی ہو۔
یہ بھی ممکن ہے کہ
اطلاع ملی ہو مگر انہوں نے سمجھا ہو کہ فوراً حاضر ہونا مقصود نہیں ہے یا ان کا اعتقاد یہ ہو کہ
امر مقتضی فوریت نہیں ہوتا جیسا کہ اکثر علمائے اصول مذہب کا ہے ان احتمالات کے ہوتے ہوئے جو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے کمال اور فقاہت اور مرتبے کے لائق ہیں۔
یہ بات صاف ظاہر ہے کہ
وہ اس بددعا کے مستحق نہ تھے لہٰذا یہ بددعا ان کے لئے باعث پاکیزگی و ثواب پر مبنی ہوگی۔
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
مجھے بھی غصہ آتا ہے جس طرح تمہیں غصہ آتا ہے لہٰذا جس کو میں برا کہوں یا اس پر لعنت کروں یا اس کو بددعا دوں اور وہ اس کا مستحق نہ ہو تو یا اللہ! میرے اس فعل کو اس کے لئے باعث پاکیزگی و ثواب اور رحمت بنا دے۔
پانچواں احتمال یہ ہے کہ
یہ حدیث مبارکہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے مناقب میں ہے کیونکہ میرے پچھلے بیان سے واضح ہو گیا ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے لئے دعا ہے نہ بددعا ہے اور امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی تصریح فرمائی ہے۔
(تطہیر الجنان واللسان: فصل الثالث: ص:29)

دوسرا اعتراض

بعض ملحدین کذاب جہلاء غبی شقی گمراہ معاند مفتری مفسد لوگوں نے بیان کیا ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
جب معاویہ (رضی اللہ عنہ) کو میرے منبر پر دیکھو تو اس کو قتل کر دو۔
اور یہ بھی کہا ہے کہ
ذہبی نے اس حدیث مبارکہ کی تصحیح کی ہے۔

جواب

یہ اس طرح سے ہی نہیں بلکہ یہ گمراہی اور افتراء ہے۔ ذہبی نے ہرگز اس حدیث مبارکہ کی تصحیح نہیں کی بلکہ اس کو اپنی تاریخ میں بیان کر کے تصریح کر دی ہے کہ یہ حدیث جھوٹی ہے موضوع ہے اس کی کچھ اصل نہیں علاوہ ازیں اس کے کہ اگر ہم اس حدیث کو مان بھی لیں تو دو حال سے خالی نہیں۔

یہ حدیث تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو معلوم تھی یا تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو معلوم نہ تھی اگر تھی تو تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر الزام آتا ہے اور اگر تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو معلوم نہ تھی تو اس پر الزام آتا ہے جس کو یہ حدیث معلوم تھی کہ اس نے چھپایا کیونکہ اس قسم کی حدیث کا امت تک پہنچا دینا بھی ضروری ہے تا کہ اس پر عمل کریں پھر اگر وہ شخص اس حدیث مبارکہ کو چھپاتا ہے تو تابعین کو یہ حدیث مبارکہ نہ معلوم ہوتی اور ہم تک منقول نہ ہوسکتی پس اب یہی ایک صورت رہ گئی ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو یہ حدیث معلوم تھی اور انہوں نے اس پر عمل نہ کیا۔ اس قسم کی بات شرعاً صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ناممکن ہے کیونکہ اگر یہ بات ان سے ممکن ہو تو احتمال ہوگا کہ انہوں نے کچھ حصہ قرآن مجید کا چھپا دیا ہو یا اس پر عمل ترک کر دیا ہو اور یہ سب باتیں شرعاً محال ہیں خاص طور پر
جبکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
اے لوگو میں نے تم کو ایک صاف اور روشن راستہ پر چھوڑ دیا ہے۔

اور اس حدیث مبارکہ کے جھوٹے ہونے کی تصریح بلکہ تاکید اس بات سے ہوتی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو اپنے زمانہ خلافت میں دمشق کا عامل مقرر کیا اور خود بھی ان کی تعریف فرمائی اور جس قدر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ان کے پاس گئے ان سب نے تعریف فرمائی حتیٰ کہ خود حضرت علی (رضی اللہ عنہ نے بھی ان کی تعریف فرمائی اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان سے علم بھی حاصل کیا۔

نیز

اس حدیث کے جھوٹے ہونے کی تاکید اس سے بھی ہوتی ہے کہ اس طرح کی احادیث کی نقل کرنے اور ان کے ظاہر کرنے کی ضرورت بہت تھی خاص طور پر جبکہ لڑائیاں اور فتنے برپا ہوئے اور خود حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ خلیفہ برحق سے لڑ رہے تھے جن کے ساتھ اکثر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تھے اور صرف لڑنا ہی نہیں بلکہ ایسی تدبیر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی تھی کہ

واقعہ تحکیم میں خود حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نائب حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے ان کو معزول کر دیا بلکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے ساتھ جنگ کا ارادہ فرمایا کہ وہ بھی خلیفہ برحق تھے حتیٰ کہ انہوں نے خلافت ترک کر دی اور اس وقت سے لوگ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو خلیفہ برحق کہنے لگے اور تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس بارے میں ان کی موافقت کی کسی نے ان کے دشمنوں میں سے بھی ان پر طعن نہ کیا سب اس بات پر متفق ہو گئے کہ وہ اس دن سے خلیفہ برحق ہیں۔ پس اب ان سب باتوں کے بعد اس حدیث کے جھوٹی اور واجب الترک ہونے میں کیا تردد باقی رہا۔ ایسی احادیث کا روایت کرنا ہرگز جائز نہیں مگر اسی غرض سے کہ ان کا جھوٹ ہونا اور ان کے راویوں کا کاذب بے تمیز ہونا بیان کیا جائے۔ اس طرح کی احادیث وہی شخص بیان کرے گا جو احمق ہوگا جس کا حس باطل ہو گیا ہو گا جس کی رسوائی اور کذب کو خدا نے مشہور کرنا چاہا ہو گا پس اس بات کو سمجھ لو کیونکہ اس حدیث کو بیان کرنے والوں میں بعض تو علم کے مدعی بھی ہیں اور جو کوئی اس حدیث کے بطلان پر برہان قائم کرتا ہے اس پر طعنہ زنی کرتے ہیں۔ دیکھو حضرت عمار رضی اللہ عنہ کی حدیث کہ ان کو گروہ باغی قتل کرے گا چونکہ بے اصل نہ تھی لہٰذا اس کی روایت پر تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم متفق ہو گئے پھر اس حدیث مبارکہ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کے متبعین نے اس بات پر استدلال کیا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ باغی اور امام برحق کے خلاف ہیں اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے متبعین نے اس حدیث مبارکہ کی تاویل کی جو قطعی البطلان نہیں ہے پس اگر اس حدیث کی بھی کچھ اصل ہوتی تو اس حدیث سے بھی استدلال کیا جاتا۔

(تطہیر الجنان واللسان عربی: فصل الثالث: ص 20)

تیسرا اعتراض

ایک حدیث جو بسند حسن روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

تمام قبائل عرب میں بدتر بنی امیہ اور بنی حنیفہ اور ثقیف ہیں۔

نیز ایک صحیح حدیث میں جس کو حاکم نے شرط شیخین پر روایت کیا ہے

حضرت ابوزرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

تمام قبائل یا تمام لوگوں سے زیادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ناپسند بنی امیہ تھے۔

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ بھی بنی امیہ میں سے تھے پس وہ بھی ناپسندیدہ لوگوں میں سے ہوئے اور جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ناپسندیدہ ہو اس میں امارت و خلافت کی اہلیت نہیں ہو سکتی۔

جواب

اس کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں کوئی نتیجہ نکالنا، اس نتیجہ نکالنے

والے کی جہالت پر اور اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اس کو مبادی علوم کی بھی درایت نہیں اگرچہ غوامض علوم بھی ہوں کیونکہ اس نتیجہ سے لازم آتا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ بھی خلافت کے قابل نہ ہوں اور معاذ اللہ اشرار میں سے ہو جائیں اور یہ اجتماع مسلمین کے خلاف ہو اور صریح الحاد ہے۔

حدیث کا مطلب یہ ہے کہ

اکثر بنی امیہ شرارت کے ساتھ موصوف ہیں۔ یہ منافی اس بات کے نہیں ہے کہ چند لوگ ان میں سے شریر نہ ہوں بلکہ خیار امت سے ہوں۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کے صحیح ہونے پر اور اس طرح حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کی خلافت کی صحت پر اور نیز بعد حضرتِ امام حسن رضی اللہ عنہ کے ترک خلافت کے، حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی صحت خلافت پر اجماع ہے اور نیز احادیث سابقہ سے بھی مثل اجماع کے ان کی فضیلت ثابت ہے۔

اور ابھی بیان ہو گیا ہے کہ

ہم حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے لڑکے کے درمیان میں فرق سمجھتے ہیں اور ان میں سے ہر ایک کو ہم ویسا ہی سمجھتے ہیں جس لائق وہ ہے کیونکہ ہم بغیر کسی قسم کے تعصب و جہالت کے دلائل پر پابند ہیں اگر ہم کو کسی قسم کا تعصب ہوتا تو ہم حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے ان کے بیٹے کے بارے میں اختلاف نہ کرتے جس کے متعلق حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا:

اگر تیری محبت غالب نہ ہوتی تو تو دیکھ لیتا کہ میں کیسا انصاف کرتا ہوں پس یہ نتیجہ باطل ہے۔ اس نتیجہ کا نکالنے والا جاہل یا معاند ہے جس کے کلام کی طرف التفات نہیں کیا جا سکتا کیونکہ اس کی فہم ناقص ہے اور اس کا کذب ثابت ہے۔ عنقریب آخر کتاب میں ہم بیان کریں گے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم کو اس کی اولاد کو لعنت کی اور ان لوگوں کو مکار اور فریبی فرمایا۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تمام کچھ بیان کر کے ارشاد فرمایا:

نیک لوگ ان میں سے مستثنیٰ ہیں اور وہ بہت کم ہیں۔

پس اس سے صاف ظاہر ہو گیا کہ مراد بنی امیہ کے ان دونوں حدیثوں میں اکثر بنی امیہ ہیں نہ سب۔ لہٰذا اس پر تفکر کرو اور غفلت مت کرو تا کہ ملحدین کے فریب اور معاندین کے دھوکہ سے بچ سکو۔

(تطہیر الجنان واللسان عربی: فصل الثالث، ص:21)

تنبیہ

ہمارے ائمہ نے اصول میں تصریح کی ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں باہم لڑائیاں ہوئی ہیں ان کا ذکر نہیں کرنا چاہئے۔

لہٰذا ہم پر کوئی شخص یہ اعتراض نہ کرے کہ

تم نے کیوں ان واقعات کو بیان کیا کیونکہ ہمارا مقصود یہ ہے کہ صحیح واقعات بیان کریں اور ان سے صحیح نتائج نکالیں۔ انہیں لڑائیوں سے ہمارے ائمہ نے باغیوں کے احکام حاصل کئے ہیں۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ

وہ فرماتے ہیں کہ

میں نے باغیوں اور خروج کرنے والوں کے احکام حضرت علی رضی اللہ عنہ کی لڑائیوں سے جو اہل جمل وصفین اور خوارج سے ہوئیں حاصل کئے ہیں۔

(الصحابۃ ومکانتھم عند المسلمین: جز:1،ص:58)

اسی طرح امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ اور علماء نے بھی لکھا ہے۔

ہمارے ائمہ اصول نے بدعتیوں کے اعتراضات بھی ذکر کئے ہیں جن میں انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ پر اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر افتراء گیریاں کی ہیں ان اعتراضات کو ذکر کر کے ایسا رد کر دیا ہے کہ کسی اعتراض میں کچھ جان باقی نہیں رہی۔

ہمارے ائمہ محدثین نے بیان کر دیا ہے کہ

اکثر باتیں جو ان لڑائیوں کے متعلق منقول ہیں جھوٹی ہیں یا ان کی سند میں کوئی خرابی ہے جیسا کہ میں نے اپنی کتاب میں اکثر احادیث کی بابت بیان کیا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی لڑائیاں اس طرح بیان کرنا جس سے کسی پر الزام عائد ہو یا عوام کو کسی بدگوئی کا موقع ملے نہ چاہئے بعض جاہل لوگ جن کی عادت یہ ہے کہ کچھ دیکھ لیتے ہیں نقل کر لیتے ہیں۔ نہ سند پر غور کرتے ہیں نہ حدیث کا صحیح مطلب بیان کرتے ہیں اس میں بڑا فساد ہوتا ہے اور عوام کو سب وشتم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا موقع ملتا ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی شان یہ ہے کہ

انہوں نے قرآن مجید ہم تک پہنچایا اور اسی وجہ سے دین اسلام قائم ہے اور جو روشنی انہوں نے اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی یا دیکھی وہ ہم تک پہنچائی اور وہ احکام جن کا علم ان کے سوا کسی کو نہ ہو سکتا تھا ہم کو تعلیم کئے پس اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو اور اسلام ومسلمین کی طرف سے انہیں جزائے خیر دے۔ الختصر جو میں نے ذکر کیا ہے محض اظہار حق کے لئے موافق واقع کے ذکر کیا ہے اور مطابق قواعد اہل سنت کے ذکر کیا ہے ایسا ذکر کرنا اہم واجبات اور اشد ضروریات سے ہے کیونکہ اس سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی پاکیزگی اور صفائی ظاہر ہوئی ہے اور کیونکر ایسا نہ ہو کہ کل صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہدایت پر تھے اور اگر کوئی ایسی بات ان میں سے کسی سے ہوگئی ہے تو بوجہ اجتہاد کے ہے۔

اور یہ میں نے صحیح روایات سے ثابت کر دیا ہے کہ

جو شخص اجتہاد کرے اگر اس کا اجتہاد صحیح ہو تو اس کو دو گنا ثواب ملے گا
اور ایک روایت میں ہے کہ
اس کو دس گنا ثواب ملے گا
اور اگر اجتہاد خطا کر جائے تو اس کو صرف ایک ثواب ملے گا۔
(اتحاف السائل بمانی الصحاویہ من مسائل: باب:43، جز:43، ص:6)

پس اصل ثواب میں خطا کرنے والا اور خطا نہ کرنے والا سب برابر ہیں کیونکہ ان کی تاویل قطعی البطلان نہیں ہوتی بلکہ بسا اوقات واضح البرہان ہوتی ہے۔ اسی واسطے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام مسلمانوں پر ان کی تعظیم وتکریم اور ان کی مدح وثناء اور ان کے پہلے اسلامیہ کا جاننا اور ہر ایک کو اس کے مرتبہ کے موافق سمجھنا واجب کر دیا ہے، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے افعال واقوال سے ان کے مراتب کو ظاہر کیا ہے۔ ان کے مراتب کو اللہ تعالیٰ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کون جان سکتا تھا۔ پس جو کچھ ہم نے بیان کیا ہے ان کے موافق اعتقاد رکھو۔ اس میں بدعتیوں کی راہ ماری جائے گی اور معاندین کی لگائی ہوئی آگ بجھ جائے گی اور جاہلوں کو تعلیم حاصل ہوگی اور علم حاصل کرنے والوں کو ہدایت ملے گی۔
(تطہیر الجنان واللسان عربی: فصل الثالث، ص:32)

تنبیہ

اگر تم کہو کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ
انہوں نے فرمایا:
میں اور معاویہ رضی اللہ عنہ قیامت کے دن لائے جائیں گے اور ہم دونوں مالک عرش کے سامنے روبکاری کریں گے جو اس وقت حق پر ثابت ہوگا وہ اور اس کے اصحاب کامیاب ہو جائیں گے۔
اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بات بالکل غلط ہے کہ فریقین میں دونوں مستحق ثواب ہیں اور کوئی گناہ گار نہیں ہے۔
اس کا جواب یہ ہے کہ
پہلے تو اس روایت کی سند منقطع ہے لہٰذا اس سے استدلال ٹھیک نہیں۔
دوسرا یہ ہے کہ
بالفرض اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایسا فرمایا ہو تو مطلب اس کا یہ ہوگا کہ
جس کسی کے افعال موافق حق ہوں گے وہ کامیاب ہوگا یعنی اس کو دوگنا ثواب ملے گا۔ کامیابی کا اطلاق زیادتی ثواب پر رائج ہے۔
(تطہیر الجنان واللسان عربی: فصل الثالث، ص:32)

چوتھا اعتراض

صحیح حدیث میں آیا ہے کہ
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ
تم کو گروہ باغی قتل کرے گا۔
چنانچہ وہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے لشکر سے لڑے اور انہیں لوگوں کے ہاتھ سے مقتول ہوئے۔ پس صادق مصدوق صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے معلوم ہوا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بمقابلہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے باغی تھے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ ہی خلیفہ برحق تھے۔

جواب

اس کا جواب یہ ہے کہ
انتہائی نتیجہ جو اس حدیث سے نکل سکتا ہے یہ ہے کہ
حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی باغی ہوں اور یہ اوپر بیان ہو گیا ہے کہ باغی ہونا ان کے لیے کچھ نقص نہیں ہے اور باوجود اس کے بھی وہ لوگ مستحق ثواب ہیں گناہ گار نہیں ہیں۔
کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
مجتہد جب اجتہاد کرے اور اس سے خطا ہو جائے تو اس کو ایک ثواب ملتا ہے اور یہ بات خوب اچھی طرح سے بیان ہو گئی ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ مجتہد تھے اور اعلیٰ درجے کے مجتہد تھے انہوں نے اس حدیث مبارکہ کی تاویل بھی ایسی کی ہے جو قطعی البطلان نہیں ہے۔ یہی کیفیت اس باغی کی ہوتی ہے جو فاسق اور گناہ گار نہیں ہوتا۔ چنانچہ اس حدیث مبارکہ کی تاویل کئی سندوں سے مروی ہے۔
من جملہ ان کے ایک سند جس کے سب راوی ثقہ ہیں یہ ہے کہ
حضرت علی رضی اللہ عنہ صفین کے دن مقابل کے لشکر میں جاتے تھے اور پھر لوٹ کر آتے تھے اور ان کی تلوار خون سے سرخ ہوتی تھی۔
اور وہ اپنے صحابہ کرام علیہم الرضوان سے فرماتے تھے کہ
مجھے معذور سمجھو، مجھے معذور سمجھو اور عمار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں ایک نامور شخص تھے جو ان کی رائے ہوتی تھی اسی پر سب عمل کرتے تھے۔ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ نے ہاشم بن عتبہ بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو لڑائی کی ترغیب دی اور ان سے حوران جنت کا ذکر کیا
اور کہا کہ

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا گروہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ رفیق اعلیٰ کے ساتھ جنت میں ہوگا پس دونوں نے جنگ کی حتیٰ کہ دونوں قتل ہو گئے، حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے اپنے والد سے کہا کہ

دیکھو ہم نے اس شخص کو قتل کیا ہے جس کے حق میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا ایسا فرمایا تھا۔

ان کے والد نے کہا کہ

کون شخص؟

- انہوں نے کہا:

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ

کیا تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں سنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد نبوی کے بننے کے وقت فرماتے تھے جبکہ ہم لوگ ایک ایک اینٹ اٹھاتے اور حضرت عمار رضی اللہ عنہ دو دو اینٹیں اٹھاتے تھے۔ اتنے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر ہوا۔

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اے ابوالیقظان! تم دو دو اٹھاتے ہو حالانکہ مرض کی وجہ سے تم دبلے ہو رہے ہو، آگاہ رہو کہ تم کو گروہ باغی قتل کرے گا اور تم اہل جنت میں ہو گے۔

حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے کہا:

ہاں! مجھے یاد ہے۔

پھر حضرت عمرو رضی اللہ عنہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے اس کا ذکر کیا۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا:

خاموش رہو۔ ہم نے ان کو کب قتل کیا ہے۔ ان کے قاتل تو وہی لوگ ہیں جو ان کو لائے اور جنہوں نے ان کو ہمارے نیزوں کے درمیان ڈال دیا۔

اور حضرت امام احمد کی روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عمار رضی اللہ عنہ کے جسم سے مٹی پونچھتے جاتے تھے اور فرماتے تھے کہ

تم دو اینٹیں اٹھاتے ہو حالانکہ مرض کی وجہ سے کمزور ہو رہے ہو تو آگاہ رہو عنقریب تم کو گروہ باغی قتل کرے گا۔

(مسند احمد: مسند ابی سعید الخدری رضی اللہ عنہ: ج:23، ص:474)

نیز صحیح سند سے روایت ہے کہ

حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے جب یہ حدیث بیان کی گئی تو انہوں نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے ذکر

کیا۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا:

تم اس کے کہنے میں آتے ہو اس کو تو حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کے اصحاب نے قتل کیا ہے جبکہ وہ ان کو لائے اور ہمارے نیزوں کے درمیان میں ڈال دیا۔

یا کہا کہ

ہماری تلواروں کے درمیان۔

(مسند احمد: حدیث عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ: ج:36،ص:179)

اور ایک ضعیف سند سے روایت ہے کہ

خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ جنگ صفین میں اپنے ہتھیار ہاتھ میں نہ لیتے تھے حتیٰ کہ حضرت عمار رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے پس انہوں نے اپنی تلوار میان سے نکالی اور اس حدیث کو بیان کیا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے لشکر سے انہوں نے لڑنا شروع کیا حتیٰ کہ شہید ہو گئے۔

(مسند احمد: حدیث خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ: ج:44،ص:341)

نیز صحیح سند سے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

انہوں نے کہا:

مجھے کسی بات پر اس قدر افسوس نہیں کہ جس قدر افسوس اس امر کا ہے کہ میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہو کر گروہ باغی سے قتال نہ کیا۔

نیز صحیح سند سے روایت ہے کہ

حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے حلف کے ساتھ اس امر کو بیان کیا تھا کہ

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا لشکر اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لشکر سے لڑے اور اس کو شکست دے دے تب بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں کو اس بات میں شک نہیں ہو سکتا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ان کے امام ہیں اور حق پر ہیں اور ان کے مخالفین باطل پر ہیں۔

اور صحیح سند سے روایت ہے کہ

حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے صفین کے دن ایک گھونٹ دودھ مانگا

اور بیان کیا کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو خبر دی تھی کہ دنیا میں ان کا آخری شربت دودھ ہوگا چنانچہ دودھ ان کے پاس لایا گیا اور

انہوں نے اس کو پیا اور آگے بڑھے حتیٰ کہ مقتول ہوئے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے جھنڈے دیکھ کر انہوں نے کہا تھا کہ

میں اس جھنڈے والے سے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ بھی قتال کر چکا ہوں یعنی قبل اس کے اسلام کے۔
نیز صحیح سند سے روایت ہے کہ
حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس حضرت عمار رضی اللہ عنہ کے قتل کی بابت دو اشخاص میں جھگڑا ہوا۔
ہر ایک کہتا تھا کہ
میں نے قتل کیا ہے۔
یہ جھگڑا حضرت عمار رضی اللہ عنہ کا سامان لینے کے لئے تھا۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ بھی وہاں موجود تھے۔

انہوں نے ان دونوں اشخاص سے کہا کہ
میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ
آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے:
حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو گروہ باغی قتل کرے گا۔
پس ان دونوں میں ہر ایک نے ان کے قتل سے انکار کر دیا۔
حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے کہا کہ
جب ایسا ہے تو تم ہمارے ساتھ کیوں رہتے ہو۔
حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے کہا:
میرے والد نے ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے میری شکایت کی تھی
تو حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا کہ
تم اپنے والد کی اطاعت کرو جب تک زندہ رہو اور ان کی نافرمانی نہ کر پس اسی وجہ سے میں تمہارے ساتھ ہوں مگر میں لڑتا نہیں ہوں۔
نیز ایک صحیح روایت میں ہے کہ
حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے کہا تھا کہ
تم اپنے مجنون کو ہمارے یہاں سے الگ کر دو، وہ کیوں ہمارے ساتھ رہتا ہے اس وقت حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے یہ بات کہی تھی۔

اور ابویعلیٰ کی ایک روایت میں ہے کہ

حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے جب یہ حدیث مبارکہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے بیان کی تو

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا:

کیا تم قسم کھا کر کہتے ہو کہ ہم نے یا تم نے عمار رضی اللہ عنہ کو قتل کیا ہے۔

حضرت عمار رضی اللہ عنہ کے قاتل وہی لوگ ہیں جو ان کو یہاں لائے۔

اور سند صحیح کے ساتھ روایت ہے کہ

دو اشخاص نے حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے سامنے جھگڑا کیا تو حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے ان سے یہ حدیث مبارکہ روایت کی۔

تو ان سے کہا گیا کہ

پھر آپ رضی اللہ عنہ کیوں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے لڑتے ہیں۔

حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے کہا کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تو یہ فرمایا تھا کہ حضرت عمار رضی اللہ عنہ کا قاتل اور حضرت عمار رضی اللہ عنہ کا لباس لینے والا دونوں دوزخی ہیں (یہ تو نہ فرمایا تھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جنگ کرنے والا دوزخی ہے)

بسند حسن روایت ہے کہ

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے صفین کے دن اللہ تعالیٰ کے ذکر کی کثرت کی

اور بار بار یہ ارشاد فرمایا کہ

اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم سچے ہیں۔

ان سے پوچھا گیا کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ رضی اللہ عنہ سے خلافت کے بارے میں کوئی وصیت کی تھی حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اعراض کیا۔ پوچھنے والے نے جب بہت اصرار کیا تو آپ رضی اللہ عنہ نے قسم کھا کر فرمایا:

وہی وصیت کی تھی جو سب کو کی تھی۔ مگر بات یہ ہوئی کہ لوگ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی مخالفت میں مشغول ہو گئے اور دوسرے لوگوں کے حالات اور افعال حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں بنسبت میرے حالات اور افعال کے زیادہ خراب تھے۔

پھر شہادت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد میں نے یہ سمجھا کہ

میں خلافت کا سب سے زیادہ مستحق ہوں اور میں نے اس کو حاصل کیا۔ اب اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ ہم سے حق صادر

ہوا یا خطا ہوئی۔

اس فرمان میں تفکر کرو جو صحیح سند سے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ بہتر جانے ہم سے حق صادر ہوا یا خطا ہوئی باوجودیکہ وہ اس حدیث مبارکہ سے واقف تھے کہ حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو گروہ باغی قتل کرے گا اور باوجودیکہ ان کو یہ علم تھا کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کا لشکر باغی ہے پھر بھی اپنی خلافت کو محتمل خطا جانتے تھے اور اس امر کی تصریح کرتے تھے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی تاویل سابق قطعی البطلان نہیں ہے بلکہ احتمال اس بات کا ہے کہ وہی حق ہو ورنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ایسا نہ کہتے۔

اگر کہو کہ

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ قول از قبیل تواضع تھا اور کسی انسان کامل کا ایسی خطا کا اقرار کرنا جو اس میں نہ ہو محض بوجہ انکسار و تواضع کے ہوا کرتا ہے۔

تو میں جواب دوں گا کہ

یہ صرف دعویٰ ہے اس کی کوئی دلیل نہیں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ فرمانا بوجہ انکسار کے تھا حق یہ تھا کہ بوجہ انکسار بھی ہوسکتا ہے اور بوجہ اس کے بھی ہوسکتا ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا احتمال صحیح ہو پس جب دونوں احتمال موجود ہیں اور کوئی قطعی البطلان نہیں ہے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ دونوں معذور سمجھے جائیں گے جیسا کہ اس کی تائید حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قول سابق سے ہوتی ہے کہ میری طرف سے مقتول اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے مقتول دونوں جنت میں ہیں لیکن چونکہ دلیل صریح حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے تھی لہٰذا وہی امام برحق تھے اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ان کے مقابلے میں باغی تھے گو معذور ہوں۔ لہٰذا اس بات پر غور کرو اور اس کے یاد کرنے اور تحقیق کرنے کی طرف توجہ کرو تمہارے بہت سے شکوک اور خیالات دفع ہو جائیں گے جن کی وجہ سے بہت سے لوگ خطا و گمراہی و انحراف از حق ہوتے رہتے ہیں۔

اگر تم یہ کہو کہ

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی تاویل کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو حکم دیا تھا کہ

ہر بات میں اپنے والد کی اطاعت کرنا باوجودیکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جانتے تھے کہ ان کے والد آئندہ چل کر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہو جائیں گے اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ان کو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے لڑنے کا حکم دیں گے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے ان باتوں سے مطلع فرما دیا تھا جو آپ کے بعد آپ کی امت میں ہونے والی تھیں اور تمام وہ امور آپ سے بیان کر دیے تھے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کرام رضی اللہ

عنہم سے صادر ہونے والے تھے جیسا کہ احادیث صحیحہ سے معلوم ہوتا ہے لہٰذا معلوم ہوا کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ حق پر تھے۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ

ہم پہلے حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی حدیث بیان کرتے ہیں

وہ حدیث مبارکہ یہ ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کی والدہ کے پاس تشریف لے گئے تو حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کو وہاں نہ پایا

تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا:

ان کی والدہ نے کہا کہ

وہ برابر روزہ رکھتے چلے جاتے ہیں کبھی ترک نہیں کرتے اور شب بیدار رہتے ہیں کبھی نہیں سوتے اور گوشت نہیں کھاتے اور اپنی بیوی کا حق ادا نہیں کرتے۔ پس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو حکم دیا کہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ جب آ جائیں تو ان کو روک لینا۔ یہ فرما کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لے گئے۔ پھر واپس آئے تو حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی۔ آپ نے ان کو سب باتوں سے منع کیا کہ یہ خلاف سنت ہیں

اور انہیں حکم دیا کہ

کبھی روزہ رکھو اور کبھی ترک کر دو، کچھ دیر شب کو جاگو اور کچھ دیر سو رہو اور گوشت بھی کھاؤ اور اپنی بیوی کا حق بھی ادا کرو۔

پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

تمہارا کیا حال ہوگا جب تم چند ناکس لوگوں کے ساتھ رہ جاؤ گے جنہوں نے اپنے عہد و پیان فراموش کر دیے ہوں گے اور وہ باہم اختلاف کریں گے۔

انہوں نے عرض کیا کہ

یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! اس وقت کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے کیا حکم دیتے ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جو چیز تم جائز سمجھو اس کو کرو جو ناجائز سمجھو اس کو ترک کر دو اور لوگوں کو ان کے حال پر چھوڑ دو۔ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا ہاتھ پکڑ لیا اور چلتے چلتے ان کے والد کے پاس تشریف لے گئے اور ان کا ہاتھ ان کے والد کے ہاتھ میں رکھ دیا

اور ارشاد فرمایا کہ

اپنے والد کی اطاعت کرو۔

پھر جب صفین کا دن آیا تو ان کے والد نے ان سے کہا کہ

چلو اور لڑو۔

انہوں نے کہا کہ

اے میرے باپ! آپ مجھے حکم دیتے ہیں کہ میں جا کر لڑوں حالانکہ آپ سن چکے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس دن مجھے کیا نصیحت کر رہے تھے۔

ان کے والد نے کہا کہ

میں تمہیں اللہ تعالیٰ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آخری نصیحت کیا یہ نہ تھی کہ تمہارا ہاتھ پکڑ کر میرے ہاتھ میں رکھ دیا

اور ارشاد فرمایا کہ

اپنے باپ کی اطاعت کرنا۔ لہٰذا میں تمہیں حکم دیتا ہوں کہ تم چلو اور معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے لڑو۔ چنانچہ یہ اپنی تلوار اٹھا کر چلے۔

(تطہیر الجنان واللسان عربی: فصل الثالث: ص:34)

یہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کی حدیث مبارکہ کا خلاصہ ہے۔ اس حدیث کی سند میں اختلاف ہے۔ ابن حبان نے تو اس کی توثیق کی ہے مگر ابو حاتم رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے اس کی تضعیف کی ہے۔

اس میں شک نہیں کہ ابو حاتم ابن حبان سے زیادہ ماہر حدیث ہیں بلکہ ابن حبان توثیق میں (غیر محتاط) کے ساتھ مشہور ہیں لہٰذا اس حدیث سے استدلال کرنا ضعیف ہے۔ اگر اس حدیث مبارکہ کی صحت کو تسلیم کر لیا جائے تو تب بھی حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کی اطاعت اپنے والد کے حکم کی بحیثیت ابوت کے ہوگی نہ بحیثیت اس کے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ امام برحق تھے۔

انتہائی بات یہ ہے کہ

حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کا حکم اپنے بیٹے کے حق میں خلاف نہ ہوگا اور ان پر اس کی اطاعت واجب ہوگی اور وجہ خلاف نہ ہونے کی یہ ہوگی کہ وہ مجتہد تھے اور ان کا ایک اجتہاد یہ بھی تھا کہ

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ حق پر ہیں یہی بات اس حدیث مبارکہ سے بھی معلوم ہوتی ہے نہ جو سائل کا دعویٰ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کو ان کے والد کی اطاعت کا حکم دیا۔ یہ حکم حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے لڑنے کو بھی شامل ہے تا کہ اس سے یہ نتیجہ نکالا جا سکے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ حق پر تھے۔

اس حدیث مبارکہ کے آخری مضمون پر دلالت نہ کرنے کی وجہ یہ بھی ہے کہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ پر اپنے والد کی

اطاعت صرف انہیں امور میں واجب تھی جو ازروئے شریعت ان کے اجتہاد کے خلاف نہ ہوں۔ اس سے زیادہ اس حدیث سے اور کچھ نہیں سمجھا جاتا۔
(تطہیر الجنان واللسان عربی فصل الثالث: ص: 35)

پانچواں اعتراض

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمار رضی اللہ عنہ کے حق میں فرمایا تھا کہ تم لوگوں کو جنت کی طرف بلاؤ گے اور لوگ تم کو دوزخ کی طرف بلائیں گے۔ اس سے بالبداہت معلوم ہوتا ہے کہ جن لوگوں کو حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے جنت کی طرف بلایا تھا وہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا گروہ تھا۔

لہٰذا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا تھا کہ

وہ دوزخ کی طرف بلائیں۔ اس امر کی صریح دلیل ہے کہ وہ گمراہی پر ہوں گے۔

جواب

اس کا جواب یہ ہے کہ

یہ بات اس وقت ثابت ہوگی جبکہ حدیث مبارکہ کو صحیح مان لیا جائے اور اس کی تاویل ممکن نہ ہو مگر جبکہ حدیث مبارکہ ہی صحیح نہ ہو تو اس سے استدلال کیونکر ہو سکتا ہے اور یہاں یہی کیفیت ہے کیونکہ اس حدیث کی سند میں ایک راوی ضعیف ہے اور ابن حبان کا صحیح کہنا اور لوگوں کے ضعیف کہنے کو رد نہیں کر سکتا۔ خصوصاً اس حال میں کہ ابن حبان صحیح کہنے میں غیر محتاط مشہور ہیں۔ اچھا۔ صحت اس کی تسلیم کر لینے کے بعد بھی یہ کہا جا سکتا ہے کہ ممکن ہے کہ دوزخ کی طرف بلانے والے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے لشکر کے لوگ وہ لوگ ہوں جو مجتہد نہ تھے ایسے لوگوں کا یہ کہنا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو چھوڑ کر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف ہو جاؤ ناجائز تھا لہٰذا وہی لوگ دوزخ کی طرف بلانے والے ہوں گے۔ (تطہیر الجنان واللسان عربی: فصل الثالث: ص: 35)

چھٹا اعتراض

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ پر خروج کیا اور ان سے لڑے باوجودیکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ امام برحق تھے۔ باجماع حل وعقد اور افضل واعدل واعلم تھے، بنص حدیث حسن،

وہ حدیث مبارکہ یہ ہے کہ

انا مدینة العلم و علی بابها ۔

(مستدرک: ذکر اسلام امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ ج: 3، ص: 137)

یہ حدیث بوجہ کثرت طرق کے حسن ہوگئی جو لوگ اس کو موضوع کہتے ہیں وہ بھی صحیح نہیں ہیں اور جو اس کو صحیح کہتے ہیں وہ بھی درست نہیں۔

ائمہ محدثین نے کہا ہے کہ

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی کے فضائل ومناقب اس قدر وارد نہیں ہوئے جس قدر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے وارد ہوئے۔

اوراس کا سبب یہ تھا کہ

حضرت علی رضی اللہ عنہ جب خلیفہ بنائے گئے تو ان کے دشمن بہت ہو گئے اور افتراء بازوں نے ان کے معائب اور مثالب بہت گھڑے اور ان کے بعد والوں کو بھی یہ دشمنی میراث میں ملی۔ اس وجہ سے ائمہ محدثین نے اپنے اوپر لازم کرلیا کہ باطل کو رد کریں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فضائل کی جس قدر احادیث ان کو پہنچی ہیں ان کا اعلان کریں۔ پس ہر شخص نے جس قدر احادیث فضائل ومناقب حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اس کے پاس تھیں بیان کرنا شروع کردیں۔

<u>جواب</u>

اس کا جواب یہ ہے کہ اس سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر کوئی اعتراض نہیں ہوسکتا ہاں اگر وہ یہ کام بغیر کسی تاویل محتمل کے کرتے تو البتہ یہ اور بات ہوتی اور یہ کئی مرتبہ ثابت ہو چکا ہے کہ انہوں نے ایک تاویل محتمل کی بنا پر یہ کام کیا تھا۔ خود حضرت علی رضی اللہ عنہ کے کلام سے یہ بات معلوم ہوتی ہے اور یہ بھی ثابت ہو چکا ہے کہ وہ مجتہد تھے۔

غایت یہ ہے کہ

وہ مجتہد مخطی تھے۔ بہرحال وہ مستحق ثواب ہیں نہ کہ گناہ گار۔ علاوہ اس کے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی تخصیص ایک صریح ناانصافی ہے کیونکہ وہ اس بات میں اکیلے نہیں بلکہ بہت بڑے بڑے صحابہ کرام وتابعین کرام رضی اللہ عنہم اس میں ان کے موافق ہیں جیسا کہ سیر وتواریخ سے معلوم ہوتا ہے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے پہلے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے وہ لوگ لڑ چکے تھے جو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے زیادہ بلند مرتبہ تھے۔ مثل ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھ والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم یہ سب لوگ واقعہ جمل میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے لڑے حتیٰ کہ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ واپس جا رہے تھے کہ اثنائے راہ میں قتل کردیئے گئے۔

اور تاویل ان لوگوں کی یہ تھی کہ

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے وارثان حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو قاتلان حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل کرنے سے روک دیا تھا۔ یہی تاویل حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی بھی تھی۔ پس جیسا کہ ان جلیل القدر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بوجہ اس تاویل کے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے لڑنا جائز سمجھ لیا تھا۔ اسی طرح حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی ان کا قتل جائز سمجھ لیا تھا اور باوجودیکہ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے لڑنا جائز سمجھتے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کی طرف سے عذرخواہی کی بوجہ اس کے کہ ان کی تاویل قطعی البطلان نہ تھی۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:
ہمارے بھائیوں نے ہم سے بغاوت کی۔
اس کو ابن ابی شیبہ نے اپنی سند سے روایت کیا ہے۔
اس روایت کے الفاظ یہ ہیں۔
حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جنگ جمل میں پوچھا گیا کہ
اہل جمل جو آپ رضی اللہ عنہ سے لڑے کیا مشرک ہیں؟
حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:
شرک سے تو وہ بھاگتے تھے۔
پوچھا گیا:
پھر کیا منافق ہیں؟
ارشاد فرمایا:
منافق اللہ تعالیٰ کی بات بہت کم کرتے ہیں۔
پوچھا گیا۔
پھر وہ کیا ہیں؟
ارشاد فرمایا:
وہ ہمارے بھائی ہیں۔انہوں نے ہم سے بغاوت کی ہے۔حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کو اپنا بھائی کہا۔
(مسند ابن ابی شیبہ: ما ذکر فی الخوارج: ج:15،ص:231)
اس سے معلوم ہوا کہ ان کا اسلام بلکہ کمال اسلام باقی ہے اور وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے لڑنے میں معذور تھے۔حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہما سے بھی واقعہ جمل میں فرمایا تھا کہ تم مجھ سے بیعت کیوں نہیں کرتے۔
ان دونوں نے کہا:
ہم خون عثمان رضی اللہ عنہ کے طالب ہیں۔
حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:
حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا خون میرے پاس نہیں ہے۔
عبدالرزاق نے زہری سے روایت کیا ہے کہ
وہ کہتے ہیں کہ

جب فتنہ واقع ہوا تو اس کے بعد تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جو بہت تھے اور ان میں اصحاب بدر بھی تھے۔ اس بات پر متفق ہو گئے کہ جس قدر خون ریزی بر بنائے تاویل قرآن ہوئی ہے وہ سب معاف ہے اور جس قدر مال کی ہلاکت بر بنائے تاویل قرآن ہوئی ہے اس کا ضمان نہیں ہے اور جس قدر شرم گاہیں بر بنائے تاویل قرآن حلال سمجھی گئیں ان میں حد نہیں ہے مگر اب جس قدر چیزیں موجود ہیں وہ ان کے مالکوں کو واپس کر دی جائیں۔

(تطہیر الجنان واللسان عربی: فصل الثالث: ص:36)

اور ابن ابی شیبہ اور سعید بن منصور نے اور بیہقی نے روایت کیا ہے کہ

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے واقعہ جمل میں اپنے اصحاب کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا کہ

کسی بھاگنے والے کا پیچھا نہ کرو اور کسی زخمی پر حملہ نہ کرو جو اپنے ہتھیار ڈال دے وہ امن پالے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ: فی مسیر عائشہ وعلی وطلحہ والزبیر رضی اللہ عنہم: جز:15، ص:262)

اور ایک روایت میں ہے کہ

انہوں نے یہ اعلان کروا دیا تھا کہ کسی بھاگنے والے کا پیچھا نہ کیا جائے اور کسی زخمی پر حملہ نہ کیا جائے اور کوئی قیدی چھوڑا نہ جائے اور جو شخص دروازہ بند کر دے اسے امن مل جائے گا اور جو شخص اپنا ہتھیار ڈال دے وہ امن پائے گا۔

اور ایک دوسری روایت میں ہے کہ

کوئی سامنے آنے والا قتل نہ کیا جائے۔ ہاں اگر وہ حملہ کرے تو پھر اس کا قتل جائز ہے بشرطیکہ بغیر قتل کے اس کا دفعیہ ممکن نہ ہو اور کسی بھاگنے والے کا پیچھا نہ کیا جائے اور کوئی شرم گاہ حلال نہ سمجھی جائے اور کوئی دروازہ نہ کھولا جائے اور کسی کا مال حلال نہ سمجھا جائے۔

اور ابن منیع نے اور حرث بن ابی اسامہ اور بزار اور حاکم نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ

انہوں نے کہا:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

تم جانتے ہو کہ اللہ تعالیٰ کا حکم ان لوگوں کی بابت جو اس امت کے باقی رہ گئے کیا ہے۔

میں نے کہا:

اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول خوب واقف ہیں۔

تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

یہ حکم ہے کہ زخمی پر حملہ نہ کیا جائے، قیدی قتل نہ کیا جائے، بھاگنے والے کا پیچھا نہ کیا جائے، غنیمت کو پوشیدہ نہ کیا جائے۔

(تطہیر الجنان واللسان عربی: فصل الثالث: ص:36)

امام احمد اور نسائی اور طبرانی اور بیہقی نے روایت کیا ہے کہ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے خوارج حروریہ سے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے لڑے تھے اور بہت سے اعتراضات انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ پر کیے تھے۔

منجملہ ایک اعتراض یہ تھا کہ

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے قیدیوں کو لونڈی غلام نہ بنایا اور مال غنیمت کو حاصل نہ کیا۔

یہ کہا کہ

کیا تم اپنی ماں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو لونڈی بناتے؟

واقعہ جمل میں وہی تو سردار تھیں اور جنگ انہیں کے حکم سے ہوئی تھی کیا تم ان کے ساتھ (معاذ اللہ) وہ باتیں کر سکتے تھے جو کسی اور عورت سے کر سکتے ہو۔ اگر تم ایسا کرو تو یقیناً کافر ہو جاؤ گے۔

اور اگر تم کہو کہ

وہ ہماری ماں نہ تھیں تب بھی یقیناً کافر ہو جاؤ گے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَاَزْوَاجُهٗۤ اُمَّهٰتُهُمْ (۳۳:۶)

ترجمہ:۔یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم سب مسلمانوں کے ان کی جان سے زیادہ حق دار ہیں اور ان کی بیبیاں سب مسلمانوں کی مائیں ہیں۔

اب اس وقت تم دو گمراہیوں میں ہو پس ان میں سے جسے چاہو اختیار کر لو۔

(سنن النسائی الکبریٰ: ذکر مناظرہ عبداللہ بن عباس الحروریۃ رضی اللہ عنہما: ج:5، ص:165)

پس اے صاحب توفیق! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کو جو باغیوں کے بارے میں ہیں اور خود حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حکم کو باغیوں کی بابت غور کر اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے جو کچھ بیان کیا اس پر تفکر کر۔ تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ یہ بات بالکل صریح ہے۔ اس میں کسی قسم کی تاویل نہیں ہو سکتی کہ خوارج کے علاوہ جس قدر لوگ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے لڑے وہ سب مسلمان اور وہ اپنے مرتبہ کمال پر باقی تھے اور جس اجتہاد نے ان کو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے لڑنے پر راغب کیا اس میں وہ معذور تھے اور وہ لوگ اس اجتہاد میں خطا پر تھے اور اگر اس لڑائی کی وجہ سے ان پر کسی قسم کا گناہ یا ان کے مرتبہ میں کسی قسم کا نقص عائد ہوتا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ بعد لڑائی ختم ہونے کے ضرور ان پر عتاب کرتے۔ حالانکہ ایسا نہیں ہوا بلکہ لڑائی کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کسی لڑنے والے سے کچھ تعرض نہیں کیا بلکہ ان سے نہایت حلم اور احسان اور صلح و منت کے ساتھ پیش آئے۔

اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی تعریف میں وہ حدیث مبارکہ صحیح ہے جو آئندہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے حالات خوارج کے متعلق منقول ہوگی۔

اس حدیث مبارکہ میں یہ ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ

تم لوگوں کو قتل کروگے اس حال میں کہ تم بلنسبت ان کے حق سے زیادہ قریب ہوگے۔

اس حدیث مبارکہ سے معلوم ہوا کہ

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا گروہ بھی حق سے قریب تھا۔ پس اب ان پر حضرت علی رضی اللہ عنہ سے لڑنے کے باعث کوئی ملامت نہ رہی۔ اگر چہ وہ لوگ باغی تھے بوجہ اس کے وہ مجتہد تھے اور تاویل کرتے تھے اور یہ روایت اس بات کو صاف ظاہر کر رہی ہے۔ علاوہ ازیں اس کے کہ عنقریب بیان ہوگا کہ جب حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے ترک خلافت کر دی تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے خوارج سے لڑنے کا بڑا اہتمام کیا۔ لہٰذا وہ بھی اس قول میں مخاطب ہو گئے کہ تم لوگوں کو قتل کروگے۔ اس حال میں کہ تم حق کی طرف قریب تر ہوگے مگر یہ مرتبہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو بعد شہادت حضرت علی رضی اللہ عنہ اور معزولی امام حسن رضی اللہ عنہ کے حاصل ہوا اور کچھ شک نہیں کہ وہ اس وقت امام برحق ہو گئے۔

باقی رہا روافض کا یہ کہنا کہ

جو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے لڑا وہ کافر ہے۔ ہرگز قابل اعتبار نہیں کیونکہ یہ لوگ مثل چوپایوں کے ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ گمراہ ہیں لہٰذا وہ ہرگز قابل خطاب اور لائق جواب نہیں کیونکہ یہ لوگ معاند اور حق کے مخالف ہیں بلکہ ان کے حق میں نافع قتل اور جلائے وطن ہے کسی دلیل سے ان کی تسکین ہی نہیں ہوتی ان کا ہدایت پانا محالات سے ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بہت ساری احادیث سے ثابت ہوا کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جماعت کے روبرو اپنے صاحبزادہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی تعریف فرمائی کہ میرا یہ بیٹا سردار ہے۔ امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ سے مسلمانوں کے دو بڑے گروہوں میں صلح کرا دے گا۔

اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ

یہ لوگ کمال اسلام پر قائم تھے اور جو کچھ ان سے خلاف صادر ہوا اس میں وہ معذور تھے۔ گو امام برحق حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں، جمل وصفین والے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے محض اس وجہ سے لڑے تھے کہ

ان کا خیال یہ تھا کہ

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے قاتلان عثمان رضی اللہ عنہ سے قصاص نہیں لیا حالانکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اس سے بری تھے باوجود اس کے پھر بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کو معذور سمجھا۔ بوجہ اس کے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ جانتے تھے کہ یہ لوگ

امام ہیں فقیہ ہیں۔

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمادیا تھا کہ

جب مجتہد سے اجتہاد میں غلطی نہ ہوتو اس کو دو گنا ثواب ملے گا۔

پس حضرت علی رضی اللہ عنہ مجتہد غیر خاطی تھے۔لہٰذا ان کو دو گنا بلکہ دس گنا ثواب ملے گا۔

جیسا کہ ایک روایت میں ہے کہ

اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے لڑنے والے مثل حضرت عائشہ اور حضرت طلحہ اور حضرت زبیر اور حضرت امیر معاویہ اور حضرت عمرو بن عاص اور ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے جو ان کے ہمراہ تھے جن میں اہل بدر بھی شامل تھے۔مجتہد خاطی تھے۔لہٰذا ان کو ایک ہی ثواب ملے گا۔وہ لوگ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مقابلے میں باغی تھے مگر بغاوت کوئی مذمت نہیں ہے جیسا کہ اوپر کئی بار بیان ہو گیا ہے۔

پھر حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

میں نے باغیوں کے احکام حضرت علی رضی اللہ عنہ سے لڑنے والوں کے حالات سے سیکھے۔

(الصحابۃ:ج:1،ص:87)

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے ان لوگوں کو باغی کہا مگر یہ کوئی نقص نہیں ہے جیسا کہ تمہیں معلوم ہو چکا ہے کیونکہ وہ لوگ تاویل کرتے تھے۔

اس سبب سے کہ

وہ معذور تھے کیونکہ مجتہد دلیل کا پابند ہوتا ہے۔

جیسا کہ اوپر مبسوط طریقہ سے بیان ہو گیا ہے۔اس کی وجہ سے وہ مستحق ثواب سمجھے گئے۔گو خطا پر تھے اسی پر علماء معتبرین کا اجماع ہے۔

(تطہیر الجنان واللسان عربی:فصل الثالث:ص:37)

اعتراض

اگر تم یہ کہو کہ بہت ساری احادیث میں وارد ہوا ہے کہ

حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو گروہ باغی قتل کرے گا اور ان کے قتل کرنے والے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے لشکر والے تھے پس اس سے معلوم ہوا کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ہی کے لشکر والے باغی تھے۔

جواب

ہم اس کا انکار نہیں کرتے جیسا کہ اوپر بیان ہو گیا ہے اور یہ بھی بیان کر چکے ہیں کہ وہ لوگ تاویل کرتے تھے اور جو باغی کہ

مجتہد ہوں اوران کی تاویل قطعی البطلان نہ ہووہ گناہ گار نہیں ہوتے بلکہ وہ مستحق ثواب ہوتے ہیں۔ گوان کی تاویل فاسد ہو یہ بھی سابق بیان میں ہو چکا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے اس حدیث مبارکہ سے اپنے والد کے سامنے اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس حدیث مبارکہ کی تاویل کی تھی

اور کہا تھا کہ

حضرت عمار رضی اللہ عنہ کے قاتل وہی لوگ ہیں جو حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو یہاں لائے وہی لوگ ان کے قتل کا باعث ہوئے، انہوں نے قتل سے معنٰی مجازی مراد لئے۔ ان کے نزدیک اس معنٰی مجازی کے قرائن قائم ہوں گے۔

پس یہ ایک ایسی تاویل ہے کہ

مجتہد اس کے ساتھ تمسک کر سکتا ہے اگر چہ حق یہی ہے کہ یہ حدیث مبارکہ بصراحت اس پر دلالت کرتی ہے کہ حضرت عمار رضی اللہ عنہ کے قاتل وہی لوگ ہیں جو مرتکب ان کے قتل کے ہوئے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی اس تاویل سے زیادہ قریب العقل حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی تاویل ہے۔

چنانچہ ایک روایت میں ہے کہ

انہوں نے کہا:

حضرت عمار رضی اللہ عنہ کا قاتل دوزخ میں جائے گا۔

(ایثار الحق علی الخلق: فصل فی الفسق: ج:1،ص:412)

قاتل سے مراد وہ شخص ہے جس نے ارتکاب قتل کیا یا قتل میں اعانت کی ہو اور خاص قاتل اور معین قتل کے دوزخی ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ تمام گروہ ایسا ہی ہوا، ان میں باہم کھلا ہوا فرق ہے کیونکہ اور لوگ مجتہد تھے اور تاویل کرتے تھے اور قاتل اور معین قتل مجتہد نہ تھے لہٰذا ان کی تاویل قابل التفات نہیں ہے۔

یہ بھی بیان ہو چکا ہے کہ

دو شخص حضرت عمار رضی اللہ عنہ کے قتل کے مدعی تھے اور دونوں باہم جھگڑا کر رہے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث مبارکہ ان کے سامنے بیان کی تو ہر ایک نے ان کے قتل سے انکار کر دیا۔

جب حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے بوجہ اس کے کہ رفقائے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور زہاد و عباد میں سے تھے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی تاویل اور اپنے والد کی تاویل قبول کرنے میں تامل کیا اور برملا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو اور ان کے ساتھیوں کو باغی کہا۔

تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ

پھر تم کیوں ہمارے ساتھ ہو؟

انہوں نے کہا کہ
میں تمہارے ساتھ ہوں مگر لڑتا نہیں ہوں۔
(وجہ اس کی یہ ہے کہ ایک بار)
میرے والدِ محترم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے میری شکایت کی تھی
تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے ارشاد فرمایا تھا کہ
تم اپنے والد کی اطاعت کرو جب تک وہ زندہ رہیں۔
پس ان کے حکم سے میں آپ رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہوں۔
اس کی پوری بحث گزر گئی ہے۔

جو شخص حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی دقتِ نظر کو بغور ملاحظہ کرے گا اس کو یہ بات معلوم ہو جائے گی کہ یہ افعال یہ لڑائیاں جو ان لوگوں سے صادر ہوئیں بہت کچھ بحث و مباحثہ کے بعد ہوئیں اور اپنے نزدیک انہوں نے امرِ حق اختیار کیا۔ اسی وجہ سے ان تمام باتوں میں ائمہ مسلمین نے سلف سے خلف تک ان کو معذور سمجھا۔ خود حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی ان کو معذور سمجھا۔ پس اب کسی مسلمان کو ان دونوں گروہوں میں سے ایک پر طعن کرنے کی گنجائش نہ رہی۔ بلکہ ہر مسلمان پر ضروری ہو گیا کہ اس بات کا اعتقاد رکھے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ امام برحق ہیں اور ان سے لڑنے والے باغی ہیں اور دونوں معذور ہیں۔ مستحق ثواب ہیں جو اس میں شک کرے وہ گمراہ ہے جاہل ہے یا معاند ہے لہٰذا اس کی طرف التفات نہ کیا جائے اور نہ اس کا اعتبار کیا جائے۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا معذور ہونا اس سے بھی ظاہر ہے کہ
خود انہوں نے یہ حدیث مبارکہ روایت کی ہے کہ
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
ہر گناہ کی بابت امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے بخش دے، سوا اس گناہ کے کہ آدمی بحالتِ کفر مر جائے یا کسی مومن کو عمداً قتل کر دے۔

(مستدرک: کتاب الحدود: جز:4، ص:391)

لہٰذا باوجود اس حدیث مبارکہ سے واقف ہونے کے اگر وہ یہ نہ سمجھتے کہ جن مسلمانوں کو قتل کر رہا ہے حق پر قتل کر رہا ہے تو یقیناً وہ ان کو قتل نہ کرتے۔ ایک شخص خود ہی ایک حدیث روایت کرے اور پھر خود ہی اس کے خلاف کام کرے، سوا جاہل مغرور کے یہ کام اور کس سے ہو گا اور حاشا ثم حاشا کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتبِ وحی جن کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی کہ وہ ہدایت یافتہ ہیں اور ہدایت کرنے والے ہیں

اور اللہ تعالیٰ ان کو حساب وکتاب کی تعلیم کرے اور ان کو عذاب سے بچائے۔

اور وہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ جن کے عالم وفقیہ ومجتہد ہونے پر اتفاق ہے ایسے جاہل مغرور ہوں۔

(تطہیر الجنان واللسان عربی: فصل الثالث: ص: 38)

اعتراض

اگر تم یہ کہو کہ یہ حدیث مبارکہ تو معتزلہ اور خوارج کی دلیل ہے کہ گناہ کبیرہ معاف نہیں ہوتے اگر کوئی شخص گناہ کبیرہ کا ارتکاب کر کے بغیر توبہ کیے ہوئے مر جائے تو وہ ہمیشہ ہمیشہ دوزخ میں رہے گا۔

جواب

تو میں جواب دوں گا کہ اس حدیث مبارکہ میں ان کے لئے کوئی دلیل نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

یعنی جو شخص کسی مسلمان کو عمداً قتل کرے اس کی سزا جہنم ہے وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہے گا۔

لہٰذا جس طرح آیت کا مطلب یہ بیان کیا جاتا ہے کہ جو شخص قتل مومن کو جائز سمجھے اس کی یہ سزا ہے بدلیل اس کے کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمادیا ہے کہ شرک کے سوا اور جس گناہ کو اللہ تعالیٰ چاہے بخش دے۔

نیز ارشاد فرمایا کہ

اللہ تعالیٰ بخش دیتا ہے سب گناہوں کو۔

پس اسی طرح اس حدیث میں بھی تاویل کی جائے گی۔

اس مقام پر بہت سے گمراہ فرقے جو اس بات کے قائل ہیں کہ مرتکب کبیرہ اگر بغیر توبہ کئے مر جائے تو ہمیشہ ہمیشہ دوزخ میں رہتا ہے گمراہ ہو گئے ہیں اور وہ معتزلہ اور خوارج ہیں۔

ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ

جو مومن بحالت فسق مرا خوارج کہتے ہیں کہ وہ کافر۔

اور معتزلہ کہتے ہیں کہ

وہ نہ مومن ہے اور نہ کافر ہے۔

اور فرقہ مرجیہ اس بات کا قائل ہے کہ

ایمان کے ساتھ کوئی گناہ ضرر نہیں پہنچاتا جس طرح کفر کے ساتھ کوئی عبادت نفع نہیں دیتی۔

اس فرقہ کا تمسک اس آیت سے ہے۔

یعنی اللہ تعالیٰ سب گناہوں کو بخش دیتا ہے۔

مگر اس آیت سے ان کا تمسک صحیح نہیں کیونکہ دوسری آیتوں سے اس آیت کے مطلب کی توضیح ہوگئی ہے۔ احادیث مبارکہ سے بلکہ اجماع سے جو تواتر معنوی کی حد تک پہنچ گیا ہے۔

یہ بات معلوم ہوئی ہے کہ

اس امت کے کچھ گناہ گار دوزخ میں ضرور داخل ہوں گے پھر ان کے لئے ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت ہوگی اور وہ دوزخ سے نکال کر جنت میں داخل کئے جائیں گے۔

(تطہیر الجنان واللسان عربی: فصل الثالث: ص:39)

ساتواں اعتراض

متعدد راویوں کے طریق سے روایت ہے کہ

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ناکثین، قاسطین اور مارقین سے لڑنے کی وصیت کی تھی اور یہ تینوں وصف حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں میں موجود تھے اور یہ بات حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے لئے سخت نقص ہے۔

جواب

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث مبارکہ واقعہ صفین کے پہلے فائدہ میں مذکور ہوگی اور وہاں بیان کیا جائے گا کہ یہ حدیث ضعیف ہے اگر صحیح بھی ہو تو اس کی تاویل کی جائے گی لہٰذا اس مقام کو دیکھو۔

یہاں قابل غور ایک بات یہ ہے کہ

حضرت علی رضی اللہ عنہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہما اور ان کے ساتھیوں سے لڑے، جن میں بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تھے اور خوارج سے بھی لڑے اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے بھی لڑے۔ لہٰذا اس حدیث مبارکہ کو صرف حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر محمول کرنا سخت ناانصافی ہے بلکہ جس قدر لوگوں سے حضرت علی رضی اللہ عنہ لڑے سب پر یہ حدیث مبارکہ محمول ہوسکتی ہے اور ان الفاظ کی تاویل ممکن ہے۔ چنانچہ میں اسی فائدہ کے شروع میں بیان کروں گا۔ اس کو غور کرنا اور خیال میں رکھنا کیونکہ وہ ایک عمدہ بات ہے۔

(تطہیر الجنان واللسان عربی: فصل الثالث: ص:39)

تنبیہ

اہل سنت کی ایک عمدہ دلیل اس موقع پر یہ ہے کہ

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جو اپنے مخالفین یعنی اہل جمل و خوارج و اہل صفین سے قتال کیا باوجودیکہ ان کی تعداد بہت زیادہ تھی اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور ان لوگوں سے جنہوں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ کیا تھا نہ لڑے حالانکہ ان

لوگوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مشورہ بھی نہ لیا تھا۔ باوجودیکہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی اور داماد تھے اور شجاع اور عالم اور صاحب مناقب تھے۔ اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بھی نہ لڑے۔ ان کو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے خلیفہ کیا تھا۔ نیز اہل شوریٰ خاص کر حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سے بھی نہ لڑے۔ جنہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو خلیفہ نامزد کیا تھا۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس کوئی یقینی کیا معنیٰ ظنی روایت بھی اس قسم کی نہ تھی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو صراحۃً یا اشارۃً خلیفہ کر دیا تھا ورنہ کسی مسلمان کے نزدیک حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ سکوت جس پر ایسے مفاسد مرتب ہوئے کہ اب ان کا تدارک نہیں ہوسکتا جائز نہ ہوگا کیونکہ جب وہ خلیفہ منصوص تھے باوجود اس کے انہوں نے دوسرے کو خلیفہ ہو جانے کا موقع دیا حالانکہ اس کی خلافت باطل تھی اور اس کے تمام احکام باطل تھے تو اس کا گناہ حضرت علی رضی اللہ عنہ پر ہوگا۔

شیعوں کا خیال ہے کہ

حضرت علی رضی اللہ عنہ اس وجہ سے خاموش تھے کہ وہ بالکل مغلوب تھے۔ یہ باطل ہے اس لئے کہ وہ زبان سے ضرور امر حق کو ظاہر کر سکتے تھے اور اس گناہ سے بری الذمہ ہو سکتے تھے اگر وہ کہہ دیتے کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خلیفہ کر دیا ہے اگر تم لوگ خلافت میرے حوالہ کرو تو بہتر ورنہ میں صبر کروں گا یقیناً کوئی صحابی ان کو ملامت نہ کرتا اگر چہ وہ سب سے کمزور ہی کیوں نہ رہے ہوں مگر جبکہ انہوں نے ایسا نہ کہا تو ان کا یہ سکوت اس بات کو صاف ظاہر کر رہا ہے کہ ان کو نہ کوئی حکم خلافت کا ملا تھا نہ خلافت کے کسی کام کے متعلق ان کو وصیت ہوئی تھی۔ پس ان کے مغلوب ہونے کا دعویٰ باطل ہوگیا۔ یہ دعویٰ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مغلوبیت کا اس سے بھی باطل ہوتا ہے کہ اگر ان کے پاس اس کے متعلق کوئی حکم ہوتا اور وہ طلب خلافت کے لئے اٹھ کھڑے ہوتے تو ان کے مقابلے میں کوئی شخص نہ ٹھہرتا بلکہ وہ تنہا یا اپنی قوم بنی ہاشم کے ساتھ مل کر جن کی تعداد اور شجاعت بہت بڑھی ہوئی تھی اپنا حق لے لینے پر اور جو شخص ان سے مزاحمت کرے اس کے قتل کرنے پر خواہ وہ کوئی ہو قادر تھے۔ خاص طور پر اس حالت میں کہ ابوسفیان رضی اللہ عنہ رئیس قریش نے ان سے کہا تھا کہ اگر تم چاہو تو میں مدینہ کو سوار اور پیادوں سے بھر دوں۔ مگر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بہت سختی سے انکار کیا۔

بعض اکابر روافض جو اس بات کے قائل تھے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خلافت کی وصیت تھی اور یہ وصیت حضرت علی رضی اللہ عنہ کو معلوم بھی تھی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جو اپنے لیے حصول خلافت کی کوشش نہ کی اس میں کوئی بھی عذر ان کے پاس نہ تھا لہٰذا وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تکفیر کے قائل ہوگئے۔ "معاذ اللہ منہ"

وہ کہتے ہیں کہ

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے باوجود قدرت کے حق کو ترک کر دیا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ

مجھے خلافت کی وصیت کی گئی ہے۔
اس سے تمہیں معلوم ہوسکتا ہے کہ شیعوں کے افتراء و بہتان کی کیا حالت ہے۔
وہ جو کہتے ہیں کہ

یہ وصیت احادیث مبارکہ میں مروی ہے۔ یہ سب زور و بہتان ہے اپنے عقائد باطلہ کی ترویج کے لئے ان لوگوں نے گھڑ لیا ہے۔ لہٰذا ایسی احادیث مبارکہ کی نہ روایت جائز ہے نہ سننا درست ہے ہاں بہت سی روایتوں میں ایسے مضامین وارد ہوئے ہیں جو حضرت ابوبکر و حضرت عمر و حضرت عثمان رضی اللہ عنہم کی خلافت کی صحت پر دال ہیں حتیٰ کہ اس قسم کی احادیث مبارکہ خود حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی روایت ہیں۔ من جملہ ان کی وہ حدیث مبارکہ ہے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے سند صحیح کے ساتھ روایت ہے۔

انہوں نے جنگ جمل میں فرمایا:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خلافت کے بارے میں کوئی حکم ہم کو نہیں دیا کہ ہم اس پر عمل کرتے بلکہ یہ ہمارا اجتہاد تھا اور اسی اجتہاد سے لوگ خلیفہ بنائے اور انہوں نے بہت ٹھیک کام کئے۔

اور ایک روایت میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ خلیفہ بنائے گئے اور انہوں نے موافق سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کام کئے اور انہیں کی روش پر چلتے رہے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو وفات عطا فرمائی۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ خلیفہ بنائے گئے اور انہوں نے بھی ویسے ہی کام کئے جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کیا کرتے تھے اور انہیں کی روش پر چلتے رہے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو وفات عطا فرمائی۔

اور ایک دوسری روایت میں ہے جو بہت سندوں سے روایت ہے اور ان میں ایک سند صحیح ہے۔
حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا۔
یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کون شخص خلیفہ بنایا جائے گا۔
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اگر تم لوگ ابوبکر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بناؤ گے تو انہیں تم امین اور دنیا کی طرف سے بے رغبت اور آخرت کا طالب پاؤ گے اور اگر تم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بناؤ گے تو تم انہیں قوی اور امین پاؤ گے۔ راہ خدا عزوجل میں ان کو کسی ملامت کرنے والے کی ملامت اثر نہ کرے گی اور اگر تم علی رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بناؤ گے مگر میرا خیال نہیں ہے کہ تم ان کو خلیفہ بناؤ تو ان کو ہدایت کرنے والا اور ہدایت یافتہ پاؤ گے۔ وہ تم کو راہ راست پر چلائیں گے۔

(تطہیر الجنان واللسان عربی: فصل الثالث: ص:40)

لہٰذا اس حدیث مبارکہ کوغور سے دیکھو اس سے تم کو معلوم ہو جائے گا کہ جس ترتیب خلافت پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اتفاق کیا ہے وہ حق تھی اور جو شخص ان خلافتوں کے حق ہونے میں تامل کرے چہ جائیکہ ان پر طعن کرنا تو اس سبب سے محض اس کا فریب وعناد ہے۔

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا کہ

میں نہیں خیال کرتا کہ تم حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بناؤ۔

اور اس پر اعتراض نہ کرنا، صریح اجازت اس بات کی ہے کہ جس بات پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجتہاد متفق ہو جائے۔ اسی پر عمل کرنا چاہئے۔ علاوہ اس کے زمانہ مرض وفات میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو امام نماز کر دینا روشن دلیل ان کی خلافت کی ہے۔ جیسا کہ خود حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اکثر روایات میں اس واقعہ سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی تقدیم خلافت اور افضیلت پر استدلال کیا ہے۔ اس لئے بہت سے علماء نے دعویٰ کیا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت منصوص ہے۔

نیز ایک ضعیف روایت میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خلیفہ نہ کرنے میں اپنا یہ عذر بیان فرمایا کہ اگر میں کسی خاص شخص کو خلیفہ کر دوں اور لوگ اس کی اطاعت نہ کریں گے تو ان پر عذاب نازل ہو جائے گا۔

اور ایک روایت سند صحیح کے ساتھ روایت ہے کہ صرف اس کے ایک راوی کے نام کا معلوم نہیں ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مسجد نبوی کی بنیاد ڈالی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک پتھر اٹھا کر رکھ دیا پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ایک پتھر لا کر رکھا۔

پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک پتھر لا کر رکھا۔

پھر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے ایک پتھر لا کر رکھا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی وجہ پوچھی گئی۔

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

میرے بعد خلافت اسی طرح ہوگی۔

(تطہیر الجنان واللسان عربی: فصل الثالث: ص: 41)

اور ایک صحیح روایت میں ہے کہ

جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد نبوی شریف کی بنیاد ڈالی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک پتھر بنیاد پر رکھا اور ارشاد فرمایا:

میرے پتھر کے برابر ابوبکر رضی اللہ عنہ ایک پتھر رکھ دیں۔
پھر ان کے برابر عمر رضی اللہ عنہ ایک پتھر رکھ دیں۔
پھر ان کے پتھر کے برابر عثمان غنی رضی اللہ عنہ پتھر رکھ دیں۔
اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
یہی لوگ میرے بعد خلیفہ ہوں گے۔
(معجم الکبیر: جریر بن عبداللہ البجلی یکنی ابا عبد: ج:2، ص:339)
ایک اور روایت میں آیا ہے جس کی بعض اسناد موضوع اور بعض اسناد صحیح ہیں کہ
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک باغ میں تشریف لے گئے اور ایک شخص کو دروازہ پر معین کر دیا۔
اتنے میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور انہوں نے دروازہ کھٹکھٹایا۔
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
اے انس (رضی اللہ عنہ) دروازہ کھولو اور ان کو جنت کی اور میرے بعد خلافت کی بشارت دو۔
حضرت انس رضی اللہ عنہ نے اسی طرح ہی کیا۔
اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ آئے اور انہوں نے دروازہ کھٹکھٹایا۔
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے بھی ایسا ہی فرمایا۔
اور ارشاد فرمایا کہ
ابوبکر (رضی اللہ عنہ) کے بعد خلافت کی بشارت ان کو دو۔
پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ آئے ان کے لئے بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا ہی فرمایا۔
اور ارشاد فرمایا:
عمر (رضی اللہ عنہ) کے بعد خلافت کی بشارت ان کو دو اور خبر دو کہ وہ قتل کئے جائیں گے۔
(مسند ابی یعلی: المختار بن فلفل عن انس ج:7، ص:45)
اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے سند صحیح کے ساتھ روایت ہے کہ
وہ کہتے تھے کہ
ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں کہا کرتے تھے کہ
حضرت ابوبکر، حضرت عمر و حضرت عثمان رضی اللہ عنہم یہ تینوں خلیفہ ہوں گے۔
اور ایک روایت میں ہے۔

لوگوں نے پوچھا:
سب سے زیادہ خلافت کا حق دار کون ہے۔
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
ابوبکر (رضی اللہ عنہ)
لوگوں نے پوچھا:
پھر کون؟
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
عمر (رضی اللہ عنہ)
لوگوں نے پوچھا:
پھر کون؟
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
عثمان (رضی اللہ عنہ)
(تطہیر الجنان واللسان عربی: فصل الثالث :ص:41)
مگر اس روایت کی سند میں ایک راوی کذاب ہے لہذا یہ حدیث قابل استدلال نہیں ہے۔
اور ایک روایت میں بواسطہ واقدی کے منقول ہے مگر حافظ ہیثمی نے کہا ہے کہ
اس کی سند میں بھی ایک راوی ایسا ہے جس کو میں نہیں جانتا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حراش بن امیہ سے کچھ وعدہ کیا۔
حراش نے عرض کیا کہ
اگر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ پاؤں۔
مراد ان کی یہ تھی کہ
آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ظاہری پردہ ہو جائے۔
تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ
ابوبکر (رضی اللہ عنہ) کے پاس جانا۔
انہوں نے پوچھا:
اگر ان کو بھی نہ پاؤں۔

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
عمر (رضی اللہ عنہ) کے پاس جانا۔
انہوں نے پوچھا کہ
اگر ان کو بھی نہ پاؤں۔
تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
عثمان (رضی اللہ عنہ) کے پاس جانا۔
اور انہوں نے پوچھا کہ
اگر ان کو بھی نہ پاؤں تو
پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سکوت فرمایا۔
انہوں نے اپنے دل میں کہا کہ
یہ فضل خدا کا ہے کہ جسے چاہتا ہے دیتا ہے۔
(تطہیر الجنان واللسان عربی: فصل الثالث: ص: 41)
اور ایک روایت میں ہے مگر حافظ مذکور نے ان کی بابت بھی کہا ہے کہ
اس کی سند میں بھی ایک راوی ایسا ہے کہ میں اسے نہیں جانتا کہ
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد قبا کے سامنے اپنی لاٹھی سے ایک خط کھینچا۔ بعد اس کے اس پر ایک پتھر رکھ دیا
پھر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ
تم اس کے پہلو میں ایک پتھر رکھ دو
پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو حکم دیا
پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ
اس کے پہلو میں ایک پتھر رکھ دو۔
اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اور لوگوں کو اشارہ کیا کہ
ہر شخص اپنا پتھر جہاں چاہے اس خط پر رکھ دے۔
(تطہیر الجنان واللسان عربی: فصل الثالث: ص: 41)
ایک اور صحیح روایت میں آیا ہے کہ
ایک شخص نے اپنا خواب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کیا کہ

گویا ایک ترازو آسمان سے اتری ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر رضی اللہ عنہ اس میں تولے گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا پلہ بھاری رہا۔ پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ تولے گئے تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا پلہ بھاری رہا۔ پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ تولے گئے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا پلہ بھاری رہا۔ بعد اس کے وہ ترازو اٹھالی گئی۔

تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

یہ خلافت نبوت ہے اس کے بعد اللہ تعالیٰ جسے چاہے گا بادشاہت دے گا۔

(سنن ابی داؤد: فی الخلفاء: جز:12،ص:240)

نیز ایک روایت میں آیا ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

میرے بعد بارہ خلیفہ ہوں گے۔ ان میں سے ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں وہ میرے بعد تھوڑے ہی دن رہیں گے اور عمر رضی اللہ عنہ ہیں وہ عمدہ زندگی پائیں گے اور شہید ہو کر مریں گے۔

اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اے عثمان رضی اللہ عنہ! اگر اللہ تعالیٰ تم کو کوئی لباس عنایت کرے اور لوگ تم سے اس لباس کو اتارنا چاہیں تو تم ہرگز نہ اتارنا۔

اللہ تعالیٰ کی قسم!

اگر تم اتار دو گے تو جنت کو کبھی نہ دیکھو گے حتیٰ کہ اونٹ سوئی کے ناکے سے نکل جائے۔

(معجم الاوسط، من اسمہ مطلب: جز:8،ص:319)

ایک اور ضعیف روایت میں ہے جس کی ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے توثیق کی ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یعنی جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی کسی زوجہ سے پوشیدہ طور پر کوئی بات کہی۔

کی تفسیر میں روایت ہے کہ

وہ بات یہ تھی کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ام المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے بیان کیا ہے کہ

میرے بعد خلیفہ ہوں گے اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بعد عمر رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوں گے۔

اور ایک ضعیف روایت میں ہے کہ

ایک اعرابی نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ

میں اپنی زکوٰۃ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کس کو دوں۔
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
ابوبکر (رضی اللہ عنہ) کو۔

اس نے پوچھا:
پھر کس کو؟
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
عمر (رضی اللہ عنہ) کو۔

اس نے پوچھا:
پھر کس کو؟
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
عثمان (رضی اللہ عنہ) کو۔

اس نے پوچھا:
پھر کس کو؟
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
پھر اپنی رائے سے کسی کو تجویز کر لینا۔
(معجم الاوسط: باب جزء:7، ج:7، ص:83)

اور ایک روایت میں ہے کہ
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے چند کنکریاں ہاتھ میں لیں وہ کنکریاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں تسبیح کرنے لگیں پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ کنکریاں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں دیں تو وہ کنکریاں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں بھی تسبیح کرنے لگیں۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ کنکریاں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں دیں تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں بھی وہ کنکریاں تسبیح کرنے لگیں۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ کنکریاں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں دیں ان کے ہاتھ میں بھی ان کنکریوں نے تسبیح پڑھنی شروع کر دی پھر وہ کنکریاں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں دیں ان کے ہاتھ میں جا کر وہ کنکریاں خاموش ہو گئیں۔
(معجم الاوسط: من اسمہ علی: ج:4، ص:245)

زہری سے روایت ہے کہ

یہ واقعہ خلافت کی طرف اشارہ ہے۔
اور سند صحیح کے ساتھ روایت ہے کہ
حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کی وفات اچانک ہوگئی ایک چادران کے جسم پر ڈال دی گئی تھی۔لوگوں نے مغرب و عشاء کے درمیان میں ایک آواز چادر کے پیچھے سے سنی جس کو لوگوں نے کچھ سمجھا نہیں۔
اس کے بعدان کے منہ اور سینہ سے یہ آواز آئی کہ
محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔
اس کے بعد انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف بیان کی۔
پھر آواز آئی کہ
حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ ہیں اوران کی مدح کی۔
پھر آواز آئی کہ
حضرت عمر رضی اللہ عنہ امیر المومنین ہیں اوران کی مدح کی۔
اس کے بعد آواز آئی کہ
حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ امیر المومنین ہیں اوران کی مدح کی۔
اور ہر باران کی زبان سے آواز آتی تھی کہ
سچ کہا۔
(معجم الکبیر: زید بن خارجۃ الانصاری: من بنی حارثہ بن: جز:5،ص:215)
اور ایک ایسی سند سے جس کی نسبت حافظ مذکور نے کہا ہے کہ
اس کے بعض راویوں کو میں نہیں جانتا۔
روایت ہے کہ
حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ
یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیمار ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو امام کر دیا ہے۔
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
میں نے ان کو امام نہیں کیا بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو امام کیا ہے۔
(معجم الاوسط: باب من اسمہ ابراہیم: جز:3،ص:177)

اور ایک اسی طرح کی سند سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

میرے پاس ایک دوات اور شانے کی ہڈی لائیں ایک تحریر لکھ دوں کہ اس کے بعد پھر تم کبھی گمراہ نہ ہو گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہماری طرف سے پیٹھ پھیر لی۔ اس کے بعد پھر ہماری طرف متوجہ ہوئے۔

اور ارشاد فرمایا:

اللہ تعالیٰ اور مسلمان سوائے ابوبکر (رضی اللہ عنہ) کے اور کسی سے راضی نہ ہوں گے۔

(مستدرک: ذکر مناقب عبدالرحمن بن ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہ: ج:3، ص:542)

اور ایک ضعیف سند کے ساتھ آیا ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک بار انصار میں صلح کرا کر لوٹے

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ملاحظہ فرمایا کہ

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ لوگوں کو نماز پڑھا رہے ہیں۔ پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ان کے پیچھے نماز پڑھ لی۔

(تطہیر الجنان واللسان عربی: فصل الثالث: ص:41)

اور ایک صحیح مگر منقطع روایت میں آیا ہے کہ

کسی نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو خلیفۃ اللہ کہا

تو انہوں نے فرمایا:

میں خلیفۃ اللہ نہیں ہوں خلیفۃ الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہوں اور میں اسی لقب سے خوش ہوں۔

سند صحیح کے ساتھ آیا ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے ارشاد فرمایا کہ

اللہ عزوجل تم کو ایک لباس (یعنی لباس خلافت) پہنانے والا ہے پس اگر منافق لوگ تم سے وہ لباس اتروانا چاہیں تو تم نہ اتارنا یہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو مرتبہ یا تین مرتبہ ارشاد فرمایا۔

(مستدرک: فضائل امیر المومنین ذی النورین عثمان رضی اللہ عنہ: ج:3، ص:106)

اور سند منقطع سے روایت ہے کہ

حضرت عبدالرحمان بن عوف رضی اللہ عنہ سے کسی نے پوچھا۔

آپ لوگوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو چھوڑ کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔

تو انہوں نے کہا:

سب سے پہلے ہم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بیعت کرنی چاہی تھی مگران سے ہم نے یہ شرط کی کہ کتاب اللہ اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور سیرت حضرت ابوبکر وحضرت عمر رضی اللہ عنہما پر چلنا۔

توانہوں نے کہا:

ہاں جہاں تک مجھ سے ہو سکے گا۔

اس کے بعد ہم نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے یہ شرط پیش کی تو انہوں نے بغیر شرط کے اس کو منظور کرلیا لہٰذا انہیں کے ہاتھ پر بیعت کرلی تھی۔

(مسند احمد: مسند عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ: ج:2:ص:31)

اور سند حسن سے روایت ہے کہ

حضرت علی رضی اللہ عنہ ایک بار مدینہ منورہ سے باہر بیمار ہو گئے تو لوگوں نے ان کو مشورہ دیا کہ مدینہ چلے جائیں ایسا نہ ہو کہ آپ رضی اللہ عنہ انتقال فرما جائیں اور نعش مدینہ منورہ لے جانا دقت ہو۔

توانہوں نے فرمایا کہ

مجھ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

تم جب تک خلیفہ نہ ہو گے تو نہ مرو گے۔ پھر تمہاری یہ داڑھی خون میں رنگی ہو گی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور ان کو لعین عبدالرحمان بن ملجم خارجی نے شہید کیا۔

(تطہیر الجنان واللسان عربی: فصل الثالث: ص:42)

سند صحیح کے ساتھ روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار ارشاد فرمایا:

مجھے اپنی موت کی خبر دی گئی ہے۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ

کہ کسی کو خلیفہ مقرر فرما دیجئے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

کس کو۔

انہوں نے کہا:

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سکوت فرمایا۔

پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں کہا۔
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سکوت فرمایا۔
پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں کہا۔
تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قسم اٹھا کر ارشاد فرمایا کہ
اگر لوگ علی رضی اللہ عنہ کی اطاعت کریں تو سب کے سب جنت میں داخل ہو جائیں گے۔
(معجم الکبیر: عبداللہ بن مسعود الہذلی یکنی اباعبد: جز:10، ص:67)

آٹھواں اعتراض

روایت ہے کہ
شداد بن اوس رضی اللہ عنہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس گئے۔ اس وقت حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ ان کے پاس انہیں کے فرش پر بیٹھے ہوئے تھے۔ حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ ان دونوں کے درمیان جا کر بیٹھ گئے اور کہا کہ
آپ (رضی اللہ عنہما) جانتے ہیں کہ میں آپ (رضی اللہ عنہما) کے درمیان کیوں بیٹھ گیا وجہ اس کی یہ ہے کہ
میں نے سنا ہے کہ
آپ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے تھے کہ
جب تم حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عمرو رضی اللہ عنہ کو ایک جگہ دیکھو تو ان کے درمیان میں فرق کر دو کیونکہ وہ دونوں غدر ہی کے لئے یکجا ہوں گے لہٰذا میں نے چاہا کہ آپ (رضی اللہ عنہما) کے درمیان تفریق کر دوں۔
(معجم الکبیر: شداد بن اوس الانصاری یکنی اباعبد: جز:7، ص:289)
اس روایت سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی انتہاء درجے کی برائی ثابت ہوتی ہے۔

جواب

اس کا پہلا جواب تو یہ ہے کہ
حدیث پایہ ثبوت کو نہیں پہنچی کیونکہ حافظ ہیثمی نے اس کی بابت کہا ہے کہ اس کی سند میں بعض راویوں کو میں نہیں جانتا۔
دوسرا جواب یہ ہے کہ
حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ چونکہ عقلائے عرب میں سے تھے پس اگر بالفرض یہ حدیث صحیح بھی ہو تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصود یہ ہوگا کہ یہ دونوں ایک جگہ جمع نہ ہونے پائیں ورنہ ان کا اجتماع کبھی کسی امر دنیوی کے لئے ہو جائے گا جس میں دوسروں کو ضرر پہنچے گا یہی مطلب لفظ غدر سے ظاہر ہوتا ہے۔ اس سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی کوئی برائی اس اجتہاد کے متعلق جو انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے لڑنے میں کیا تھا نہیں نکلتی ہے۔

اس تاویل کی وجہ یہ ہے کہ
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ دونوں کی تعریف ثابت ہے (نہ کہ برائی ثابت ہے)
(تطہیر الجنان واللسان: فصل الثالث: ص:43)



خاتمہ الکتاب

ہم اللہ تعالیٰ سے حسن خاتمہ کا سوال کرتے ہیں۔ یہ خاتمہ چند امور کئی متفرق فوائد کے بارے میں ہے جن میں سے اکثر کا تعلق ہمارے مقصود سے ہے اوران کو یہاں ذکر کرنے پر ابھارنے والی چیز یہی ہے کہ جس طرح ہم نے اس کتاب میں اس کا ذکر کیا اس طرح کسی مشہور اور غیر مشہور کتاب میں اس کا تذکرہ موجود نہیں اور وہ سارے ملتقط ہیں جیسا کہ ان میں سے اکثر حصہ جس کو میں نے کتب غیر مشہورہ سے ذکر کیا۔ لیکن وہ بہت جلیل القدر اور اہم تھے ان کو جمع کرنے والوں کے کمال کی وجہ سے اوران کے مؤلفین سنت کے حفاظ تھے اور ایسے لوگ تھے کہ حدیث مبارکہ کی تصحیح، حسن اور ضعف میں ان کی طرف رجوع کیا جاتا تھا اور اسی طرح حدیث میں علل کے بیان اور اسی طرح دوسرے مسائل میں بھی ان کی طرف رجوع کیا جاتا تھا۔ وہ مسائل جن کو محدثین اور ائمہ فقہاء و مجتہدین ہی جانتے تھے اور ما قبل میں جو کچھ گزرا اس کا محض بے فائدہ تکرار نہیں کیا گیا بلکہ دوسری مرتبہ اس کا ذکر کسی ایسی غرض کے پیش نظر کیا گیا جس کا ذکر اس سے پہلے نہ ہوا تھا کہ کبھی تو غور وفکر کرنے والا شخص اس کو سیاق و سباق سے جان لیتا ہے اور کبھی خارجی معنٰی سے۔ پس غور وفکر کرنے سے پہلے کسی چیز کا انکار نہ کرنا، علاوہ ازیں کہ اس جیسی کتب میں تکرار میں کوئی عیب نہیں سمجھا جاتا اور عیب فقط انہی کتابوں میں سمجھا جاتا ہے جن میں مقصود ہی اختصار ہو۔

ان امور میں سے ایک تو یہ ہے کہ

ان سابقہ اور لاحقہ مباحث کا ذکر کرنا یہ اس کے منافی نہیں جو ائمہ اصول اور دیگر نے اس بات پر اتفاق فرمایا تھا کہ مشاجرت صحابہ کرام علیہم الرضوان میں زبان کو خاموش رکھا جائے جیسا کہ اس کے معنٰی میں بہت کامل وضاحت کے ساتھ گزر چکا' پس اس کی طرف رجوع کرو۔ پس بے شک وہ بہت ہی زیادہ اہم ہے اور یہی جواب دیا جاتا ہے حافظ ہیثمی کے قول کا۔

جو انہوں نے کہا کہ

کاش امام احمد بن حنبل اور ان کے علاوہ اسلام کے محافظین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان ہونے والے معاملات کو ذکر فرما دیتے اور اپنی کتاب میں تخریج ساتھ اس کے کہ یہ حفاظ اسلام بھی ہیں جس کو میں نے ذکر کیا اور جو میں نے پیچھے ان کی شان میں امساک کا معنٰی ذکر کیا تھا اس سے تو نے جان لیا ہوگا کہ عدم امساک یا تو واجب ہوگا اور عوام اس کے ساتھ بہت زیادہ شیفتہ ہے اور بعض محدثین سے جو تالیفات صادر ہوئی ہیں جیسا کہ ابن قتیبہ اس کی جلالت قاضیہ کے باوجود انہیں ان ظواہر کو ذکر نہیں کرنا چاہیئے تھا اگر وہ انکار کریں اور ذکر بھی کرنا چاہیں تو اس طرح اسے اہل سنت کے قواعد پر ذکر کرتے تا کہ کوئی بدعتی اور

دین سے نا آشنا شخص اس سے دلیل نہ بنا سکتا کیونکہ انہوں نے اپنی تالیفات میں صحیح اور غیر صحیح سب کچھ ذکر کر دیا اور اسے اپنے ظاہر پر رکھا تو علمائے اہلسنت کے علاوہ جس کو علوم میں کمال دسترس حاصل نہ تھی تو اسے بہت نقصان ہوا کیونکہ اس نے ان کے ظاہر پر ہی عقیدہ رکھ لیا اور اس کا ظاہر اتنا خطرناک تھا کہ اس سے کثیر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر نقص کرنا اور اس کے علاوہ وہ ایسے اثرات مرتب ہوئے جو کمال ایمان کے مخل تھے اور اس کے ساتھ سرکشی اور بہتان میں انتہاء کو پہنچ جانے کو ثابت کرتے تھے ان پچھلے امور میں سے یہ بھی ہے کہ

تیرے دل میں کسی صحابی کے بارے میں کسی قسم کا کوئی غم وغصہ نہ رہے گا اور متعینہ صورت یہی ہوگی کہ صحابی میں جو صفت پاکیزگی، عدل وانصاف اور ان میں سے بعض کا بعض دوسروں کے لئے انتہاء تعظیم کرنے میں غور وفکر کرے گا اگرچہ ان کے آپس میں جو بھی معاملات ہوئے تو ان میں وہ یوں ہیں کہ

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَنَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ اِخْوَانًا ...... الخ(الحجر: 47)

اور ہم نے ان کے سینوں میں سے جو کچھ کینے تھے سب کھینچ لیے آپس میں بھائی ہیں تختوں پر روبرو بیٹھے۔

اور اس کی دلیل وہ ہے جو ثابت ہے کہ

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ اور حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے مابین کچھ معاملہ تھا تو ایک شخص نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے پاس حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے بارے میں کچھ غلط کہنا چاہا۔

تو آپ رضی اللہ عنہ نے فوراً کہا:

فوراً چپ ہو جا۔ ہمارے درمیان جو بھی معاملہ ہے وہ ہمارے دین تک نہیں ہے۔

(تطہیر الجنان واللسان عربی خاتمہ: ص:44)

اسی میں ایک وہ بھی ہے جسے حافظ المنذ کورالہیثمی نے نقل کیا اور سند کے بارے میں کہا کہ

میں نہیں جانتا کہ کیسی ہے۔

روایت میں یوں ہے کہ

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے سر کے پاس جا کر کھڑے ہو گئے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو خبر دی پس وہ بیٹھ گئے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا کہ

آپ رضی اللہ عنہ نے فلاں کی زمین خریدی حالانکہ اس کے پانی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وقف کا حصہ بھی تھا۔

ان دونوں حضرات کے درمیان اچھا خاصہ کلام ہونے لگا۔ پس حضرت عباس رضی اللہ عنہ ان دونوں کے پاس آئے۔

اور دیکھا کہ

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ پر درہ بلند کیے ہوئے ہیں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ ان پر عصا اٹھائے ہوئے ہیں۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ ان کو خاموش کروانے لگے اور کہنے لگے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہ

کیا کر رہے ہیں وہ امیر المومنین رضی اللہ عنہ ہیں۔

اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف ہوئے۔

تو ان سے کہتے ہیں کہ

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا کے بیٹے ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ اسی طرح کہتے رہے حتیٰ کہ وہ دونوں خاموش ہو گئے۔ اگلے دن لوگوں نے ان کو دیکھا تو ان دونوں نے ایک دوسرے کے ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے تھے اور باتیں کرتے جا رہے تھے۔

(معجم الاوسط: باب جزء:7، ج:7، ص:366)

اب اس قصہ کے ماحاصل پر غور کیا جائے تو تمہیں معلوم ہوگا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہر اس عیب سے پاک ہیں جو بدعتی لوگ ان کی طرف منسوب کرتے ہیں اور جس کا قول وضع کرنے والے کرتے ہیں اور جس کے سبب افتراء کرنے والے ان میں نقص لگاتے ہیں۔

انہی معاملات میں سے ایک حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کا معاملہ بھی ہے اور یہ بہت ہی عجیب ہے سیر اور تاریخ کی کتب میں تفصیلاً لکھا ہوا ہے اس میں کچھ ایسی باتیں بھی ہیں جو صحیح نہیں ہیں تو اس سے دھوکہ مت کھانا۔ اس بارے میں جو آیا ہے

اختصار کے ساتھ یہ ہے کہ

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر محمد بن ابی بکر اور دوسری ایک جماعت کا جھوٹا قتل ڈال دیا گیا جس کے بعد وہ لوگ آپ رضی اللہ عنہ کا حصار کرنے کے لئے جمع ہو گئے حتیٰ کہ انہوں نے آپ رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا۔

اس بات کو آپ رضی اللہ عنہ جانتے تھے کہ

وہ ضرور بالضرور شہید ہوں گے کیونکہ کثیر روایات میں آیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کی خبر دے دی تھی اور آپ رضی اللہ عنہ نے اپنی پاکی بیان نہ کی جیسا کہ ان لوگوں نے تقاضا کیا تھا اور وہ آپ رضی اللہ عنہ کے پاکی بیان کرنے پر راضی بھی ہو جاتے مگر آپ رضی اللہ عنہ نے ایسا نہ کیا کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ رضی اللہ عنہ سے اس بات پر وعدہ لیا تھا کہ اگر آپ رضی اللہ عنہ نے ایسا کیا تو اس کے بعد کبھی جنت نہ دیکھ سکیں گے جیسا کہ پہلے بھی گزرا اور آگے بھی آئے گا۔

اس معاملے کا حاصل یہ ہے کہ

ایک سند آئی ہے جس کے تمام راوی صحیح ہیں سوائے ایک کے کہ وہ بس ثقہ ہیں۔

روایت یوں ہے کہ

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو خبر ملی کہ ایک وفد اہل مصر کا آرہا ہے اور وہ قریب ہی ہے تو آپ رضی اللہ عنہ ان سے مدینہ منورہ کے باہر ایک بستی میں جا کر ملے۔ پھر وہ آپ رضی اللہ عنہ کی طرف متوجہ ہوئے اور آپ رضی اللہ عنہ سے مصحف شریف لانے کا تقاضہ کیا پس آپ رضی اللہ عنہ نے حاضر فرمایا۔ جب قرآن پاک کا تلاوت کرنے والا یہاں تک پہنچا کہ

قُلْ اَرَءَیْتُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰہُ لَکُمْ مِّنْ رِّزْقٍ ...... الخ (یونس: 59)

تم فرماؤ بھلا بتاؤ تو وہ جو اللہ نے تمہارے لئے رزق اتارا اس میں تم نے اپنی طرف سے حرام وحلال ٹھہرالیا۔

انہوں نے آپ سے کہا:

کیا چراگاہ؟

کیا اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس کا حکم فرمایا ہے یا آپ اللہ تعالیٰ پر افترا باندھتے ہیں تو آپ رضی اللہ عنہ نے اس آیت مبارکہ کا شان نزول بیان فرمایا اور آپ رضی اللہ عنہ ناز سے اس میدان میں چلتے رہے۔

اور فرمایا:

نہیں بلکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فعل کے ساتھ صدقہ۔

پھر انہوں نے آپ رضی اللہ عنہ سے کچھ چیزوں کے بارے میں سوالات کیے جن میں سے بعض کا آپ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا اور بعض سے استغفار کیا۔

پھر ان سے ارشاد فرمایا کہ

تم کیا چاہتے ہو؟

انہوں نے کہا:

ہم چاہتے ہیں کہ اس مال سے سوائے جنگ کے نہ تو آپ رضی اللہ عنہ کچھ لیں اور نہ ہی دوسرے عظیم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم۔

اس پر آپ رضی اللہ عنہ نے ان کا مثبت جواب دیا اور ان کے لئے شرط یہ لگائی کہ

نہ تو لاٹھی توڑیں گے اور نہ ہی جماعت سے الگ ہوں گے اس پر وہ راضی ہوگئے' اور انہوں نے اس پر تحریر لکھ دی اور پھر وہ مدینہ شریف کی طرف آگئے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے خطاب فرمایا اور ان کی تعریف فرمائی کہ میں نے اس سے بہترین کوئی وفد نہ دیکھا۔ پھر اہل مدینہ کو خبر دی کہ بیت المال میں سے نہ دیا جائے گا مگر جس کا ذکر کر دیا گیا اس پر لوگ غضبناک ہوگئے۔

اور کہنے لگے کہ

یہ ضرور بنو امیہ کا مکر وفریب ہے پھر وہ راضی ہو کر واپس پلٹا ابھی وہ کچھ فاصلہ ہی طے کر کے گئے تھے کہ ایک سوار ان سے آ ملا اور انہیں برا بھلا کہنے لگا پھر وہ ان سے دور ہوگیا اور پھر واپس ان کی طرف اسی طریقے سے آیا۔ انہوں نے اسے پکڑ لیا۔

اور اس نے کہا:
لگتا ہے تو کوئی عام شخص نہیں۔
اس نے کہا:
میں امیر المومنین کا پیغام رساں ہوں اور مصر کے عامل کی طرف بھیجا گیا ہوں جب انہوں نے اس کی تلاشی لی تو اس سے ایک خط برآمد ہوا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی زبان مقدس سے اور اس پر آپ رضی اللہ عنہ کی مہر بھی تھی کہ عامل مصر کی طرف یہ پیغام ہے یہ کہ ان کو سولی دے دو یا ان کی گردنیں کاٹ دو یا مخالف سمتوں میں ان کے ہاتھ پاؤں کاٹ دو۔ اس پر وہ واپس ہو گئے۔
اور کہنے لگے کہ
امیر المومنین نے وعدہ توڑ دیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے ان کا خون حلال کر دیا ہے وہ مدینہ منورہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس آئے۔
اور کہا کہ
کیا تم نے اللہ تعالیٰ کے دشمن کی طرف نہیں دیکھا کہ ہمارے بارے میں یوں اور یوں لکھا ہے اور بے شک اللہ تعالیٰ نے ان کا خون حلال فرمایا ہے۔ اٹھو اور اس کی طرف ہمارے ساتھ چلو۔
حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:
اللہ تعالیٰ کی قسم! میں ہرگز تمہارے ساتھ نہیں جاؤں گا۔
پھر وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے کہنے لگے کہ
آپ رضی اللہ عنہ نے ہمارے بارے میں یہ کیوں لکھا ہے۔
آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:
اللہ تعالیٰ کی قسم! میں نے تمہارے بارے میں کوئی خط نہیں لکھا۔
پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ نکلے اور مدینہ منورہ کے باہر ایک بستی میں آئے اور یہ سارے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس آئے۔
اور کہا کہ
آپ رضی اللہ عنہ نے ہمارے بارے میں ایسے ایسے خط لکھا ہے؟ اور بے شک اللہ تعالیٰ نے آپ رضی اللہ عنہ کا خون حلال فرما دیا ہے۔
آپ رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا کہ

تمہارے لئے مجھ پر دو ہی باتیں ہیں
یہ کہ تم عادل گواہ لے آؤ۔
یا میں تمہارے لئے اللہ تعالیٰ کی قسم اٹھادوں کہ نہ میں نے لکھا اور نہ ہی میں نے بھیجا اور نہ ہی مجھے کسی بات کا علم ہے۔
اور تم یہ جانتے ہو کہ
خط کسی مرد کے کہنے پر لکھے جاتے ہیں اور اس کو مہر کے ساتھ مزین کیا جاتا ہے۔
انہوں نے کہا:
اللہ تعالیٰ کی قسم! اللہ تعالیٰ نے عہد و پیمان توڑنے کی وجہ سے تمہارا خون حلال کر دیا ہے اور اس وقت آپ رضی اللہ عنہ کے گھر کا محاصرہ کر لیا جو کہ باب جبریل مسجد کے قریب تھا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے ایک دن مکان کے اوپر سے جھانک کر دیکھا اور ان کو سلام کیا تو کسی نے بھی آپ رضی اللہ عنہ کے سلام کا جواب نہ دیا۔
(تاریخ طبری: رجع الحدیث الی حدیث سیف من شیوخہ،ج:2،ص:656)
ابو یعلیٰ وغیرہ نے ایک روایت نقل کی جس کے تمام رجال ثقات ہیں سوائے ایک کے کہ وہ مختلف فیہ ہیں کہ جب جنائز میں ایک جگہ پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا محاصرہ کیا گیا تو مقام جبرائیل علیہ السلام پر ایک روشن دان سے جھانکا۔
اور ارشاد فرمایا:
اے لوگو! کیا تم میں طلحہ رضی اللہ عنہ ہیں۔
تو وہ خاموش رہے۔
پھر آپ رضی اللہ عنہ نے آواز بلند کی تو حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے۔
تو آپ رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا:
یہ میں کیا دیکھتا ہوں کہ جب تین بار پکارا گیا تو سننے کے باوجود تم جواب نہیں دے رہے۔ میں تمہیں وہ بھولی ہوئی بات یاد کرواتا ہوں۔
اے طلحہ رضی اللہ عنہ یاد کرو کہ
ایک دن میں اور تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے ایک ایسی جگہ میں کہ جہاں ہمارے سوا کوئی نہ تھا۔ انہوں نے اثبات میں سر ہلایا۔
پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا کہ
ہر نبی کے ساتھ اس کے اصحاب میں سے اس کا جنت میں ایک رفیق ہوتا ہے اور یہ عثمان رضی اللہ عنہ ہی جنت میں میرا رفیق ہوگا۔

اس پر انہوں نے کہا:
بے شک اللہ تعالیٰ کی قسم ایسا ہی تھا۔
یہ کہہ کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ واپس تشریف لے گئے۔
(مستدرک: فضائل امیر المومنین ذی النورین عثمان رضی اللہ عنہ: ج:3،ص:104)
ابو یعلیٰ سے ہی ایک دوسری روایت ہے جس کے تمام رجال صحیح ہیں سوائے ایک کے کہ وہ ثقہ ہیں۔
روایت کچھ یوں ہے کہ
حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے خطبہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ
بے شک ہم صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) نے سفر و حضر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبتیں حاصل کیں۔ ہم بیمار ہوتے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہماری عیادت کو تشریف لاتے ہمارے جنازوں میں ساتھ چلتے، ہمیں قلیل و کثیر کے ساتھ معاونت کرتے ابھی کچھ لوگ یہ باتیں جانتے ہیں مگر عنقریب کوئی بھی ایسا نہ رہے گا جس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہو۔
(تاریخ مدینہ دمشق: حرف الخاء: ج:34،ص:331)
اور انہیں سے ایک روایت آئی ہے کہ جس کے راوی ثقہ ہیں کہ
حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ
کیا تم ان باتوں سے باز نہیں آؤ گے جن کی خبر مجھے ملی ہے۔
حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کچھ عذر بیان کیا۔
حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا کہ
بے شک میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے اور مجھے یاد ہے نہ جیسا کہ تم نے سنا۔
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
عنقریب میری امت میرے خلیفہ کو قتل کرے گی اور میرے منبر پر ایک ظالم کھڑا ہوگا اور بے شک وہ مقتول میں ہی ہوں، عمر رضی اللہ عنہ نہیں ہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو تو صرف ایک شخص نے قتل کیا تھا مگر میرے قتل پر بہت سے لوگ مجتمع ہوں گے۔
(مسند احمد: مسند عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ: ج:1،ص:454)
اور ان سے ہی یہ بات ثابت ہے کہ
جب آپ رضی اللہ عنہ پر اعتراضات کرنے پر لوگوں کی کثرت ہوگئی۔ اس بات پر کہ آپ رضی اللہ عنہ نے اپنے رشتہ داروں بنی امیہ کو بہت نوازا ہے۔ تو آپ رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے ایک جماعت کو بلا بھیجا۔
پھر ان کو یاد کروایا کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام لوگوں پر قریش کو ترجیح دیتے تھے اور پھر ان میں سے بنی ہاشم کو بقیہ قریش پر فوقیت دیتے تھے۔اس پر سارے خاموش ہو گئے۔

تو آپ رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا:

اگر میرے پاس جنت کی چابیاں ہوں تو وہ میں بنوامیہ کو دے دوں گا حتیٰ کہ سب کو جنت میں داخل کر دوں۔اگر تم کتاب اللہ میں میرے پاؤں میں بیڑیاں ڈالنے کے متعلق (حکم) پاؤ تو ضرور بالضرور ایسا کرو۔

(تطہیر الجنان واللسان عربی: خاتمہ: ص:46)

ایک روایت کئی طرق سے آئی ہے جس میں سے ایک ثقہ ہے کہ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ آپ رضی اللہ عنہ کے پاس حاضر ہوئے جبکہ آپ رضی اللہ عنہ محصور تھے۔

اور آپ رضی اللہ عنہ کو کہنے لگے کہ

یا تو آپ رضی اللہ عنہ باہر نکلیں اور ان حصار کرنے والوں کے ساتھ جنگ کریں آپ رضی اللہ عنہ کے حامیوں کی ایک کثیر تعداد موجود ہے اور آپ رضی اللہ عنہ قوت والے ہیں اور آپ رضی اللہ عنہ حق پر ہیں وہ باطل پر ہیں۔

اور یا پھر

آپ رضی اللہ عنہ حرم مکہ کی طرف چلے جائیں یا شام کی طرف چلے جائیں کہ دونوں جگہ امن ہے تو آپ رضی اللہ عنہ نے جنگ سے اس لئے معذرت کر لی کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد وہ پہلا شخص نہیں بننا چاہتا کہ جس نے امت میں خون ریزی کی اور مکہ مکرمہ کی طرف اس لئے نہ گئے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

قریش کا ایک شخص مکہ مکرمہ میں بے دین ہوگا اور اس پر سارے جہاں میں سے نصف کا عذاب ہوگا تو میں وہ بھی نہیں بننا چاہتا۔

اور شام کی طرف اس لئے نہیں گئے کہ

میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دار ہجرت ومجاورت کو نہیں چھوڑنا چاہتا۔

(مسند احمد: مسند عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ: جز:1،ص:456)

طبرانی نے سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ جس کے تمام راوی صحیح ہیں۔

نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

ہم میں سے ایک مرد جس کا نام خارجہ بن زید تھا وہ مر گیا ہم نے اسے ایک کپڑے سے ڈھانپ دیا اور میں جنازہ پڑھانے کے لئے کھڑا ہوا تو میں نے ایک آواز سنی۔جب میں نے دیکھا تو میں اس کے ساتھ کانپ اٹھا۔

پس کہنے والے نے کہا کہ

عمر رضی اللہ عنہ امیر المومنین تھے اور اپنے ہر معاملے میں اور اللہ تعالیٰ کے معاملے میں بہت قوی وسخت تھے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ امیر المومنین تھے نہایت باحیاء اور عفیف تھے اور اپنے گناہوں پر کثرت سے استغفار فرماتے تھے دوراتیں گزر چکیں اور چار راتیں باقی ہیں لوگوں میں اختلاف ہو گیا اور ان میں کوئی نظم وضبط نہ تھا۔

لوگو!

اپنے اس امام کی طرف متوجہ رہو! اس کی سنو اور اطاعت کرو اور یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج بھی ہیں میرے باپ کا کیا حال ہے۔

اس کے بعد جنازہ سے آواز آئی

اریس نامی کنواں ظلم سے لیا گیا۔

اس کے بعد وہ آواز ختم ہوگئی۔

حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ سے ان کی والدہ نے پوچھا؟

کیا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر محاصرہ سخت ہو گیا ہے۔

آپ رضی اللہ عنہ نے کوئی جواب نہ دیا۔

انہوں نے اپنا پستان نکالتے ہوئے کہا:

میں تجھ سے اس کے بدلے میں پوچھتی ہوں جو میں نے تیرا بوجھ اٹھایا اور تجھے دودھ پلایا کہ تم اس ہنگامہ میں شریک نہ ہو۔

چنانچہ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور ان سے اس بارے میں بات کی۔

(معجم الکبیر: خارجہ بن زید الانصاری: جز:4،ص:202)

حافظ ہیثمی نے کہا ہے کہ

اس سند کے بعض راویوں کو میں نہیں جانتا ظاہری طور پر یہ روایت ضعیف ہے کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے محاصرہ کے وقت مدینہ منورہ میں نہ تھے نہ ان کی شہادت کے وقت وہاں تھے مگر یہ بات اس حدیث کے ضعیف ثابت کرنے کو کافی نہیں ہے کہ یہ تو اس روایت میں کہیں مذکور نہیں ہے کہ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس مدینہ منورہ میں گئے۔

بلکہ ممکن ہے کہ

جہاں حضرت علی رضی اللہ عنہ ہوں وہیں ان کے پاس حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ گئے ہوں۔

اور یہ بھی ممکن ہے کہ

اگر چہ حضرت علی رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ سے باہر رہتے تھے مگر دن میں کسی وقت مدینہ منورہ بھی آجاتے ہوں اور پھر اپنے جائے قیام کی طرف لوٹ جاتے ہوں۔

اور ایک اور سند سے روایت ہے کہ جس کے تمام راوی صحیح ہیں سوائے ایک کے کہ اس کو ابن ابی حاتم نے ذکر کیا ہے اور کسی نے بھی اس پر جرح نہیں کی کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اشتر کی طرف پیغام بھیجا کہ لوگ مجھ سے کیا چاہتے ہیں۔

تو اس نے کہا:

تینوں باتوں میں آپ رضی اللہ عنہ کو اختیار ہے۔

ایک تو یہ ہے کہ

آپ رضی اللہ عنہ ان کا معاملہ ان کے سپرد کر دیں تا کہ وہ اپنی مرضی سے جسے چاہیں اپنے لیے چن لیں۔

یا پھر

آپ رضی اللہ عنہ اپنی طرف سے ان کے لئے قصاص دیں۔

یا پھر

وہ آپ رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیں گے۔

آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

میں وہ کرتہ نہیں اتار سکتا جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی پہنا تھا۔

اور فرمایا کہ

میں قائم رہوں اور لوگ میری گردن ماردیں مجھے یہ بات زیادہ پسند ہے کہ امت محمدیہ کے امر کو چھوڑنے سے کہ چھوڑ دوں اور لوگ ایک دوسرے پر گدھوں کی طرح کودتے رہیں۔

اور فرمایا:

اگر تم مجھے شہید کر دو گے تو کبھی بھی ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اپنے پورے دشمنوں کو نہ مار سکو گے۔ جب اشتر نے ان کو اس بات کی خبر دی تو (13) تیرہ میں سے محمد بن ابوبکر آپ رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچ گئے اور آپ رضی اللہ عنہ کی لحیہ مبارک پکڑی اور اس زور سے کھینچی کہ دانتوں کے چٹخنے کی آواز آئی۔

اور کہنے لگے کہ

آپ رضی اللہ عنہ کو فلاں فلاں نہیں بچا سکتے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ

اے ہمارے بھائی کے بیٹے! میری داڑھی کو چھوڑ دے تو محمد بن ابی بکر نے ایک مرد کی طرف اشارہ کیا جو کہ چوڑے پھل والا تیر لے کر کھڑا تھا اس نے وہ آپ رضی اللہ عنہ کے سر پر دے مارا پھر بقیہ نے اس کی معاونت کر کے آپ رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا۔

(معجم الکبیر: نسبۃ عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ: جز: 1، ص: 82)

ایک اور روایت میں ہے۔

حافظ ہیثمی نے فرمایا کہ اس میں بھی راوی ایسے ہیں کہ میں انہیں نہیں جانتا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نیند سے بیدار ہوئے۔

اور فرمایا کہ

عنقریب میری قوم مجھے قتل کر دے گی۔ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا۔

انہوں نے فرمایا کہ

آج شام روزہ ہمارے پاس افطار کرو گے۔

(شرح معانی الآثار: باب الرجل ینوی الصیام بعد ما طلع الفجر: جز: 2، ص: 56)

اور ایک دوسری روایت میں ہے کہ جس کے راوی مجہول ہیں کہ

جس دن آپ رضی اللہ عنہ کو شہید کیا گیا وہ جمعہ کا روز تھا آپ رضی اللہ عنہ سوئے اور جب بیدار ہوئے۔

تو ارشاد فرمایا کہ

ابھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

کھڑے ہو جاؤ تم شہادت کے بعد ہم سے ملنے والے ہو۔

(مستدرک: فضائل امیر المومنین ذی النورین عثمان رضی اللہ عنہ: ج: 3، ص: 106)

ایک اور روایت جس کی سند بھی اسی طرح کی ہے کہ:

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے رات کو خواب میں دیکھا کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

کل ہمارے ساتھ افطاری کرنا تو اگلے روز آپ رضی اللہ عنہ نے روزہ رکھ لیا۔

اگلی روایت جس کے راوی تمام ثقہ ہیں کہ

آپ رضی اللہ عنہ نے ان تینوں کو یہ کہتے ہوئے دیکھا کہ

عثمان رضی اللہ عنہ صبر کرنا! بے شک تو ہمارے ساتھ ملنے والا ہے جب صبح ہوئی تو آپ رضی اللہ عنہ نے (20) بیس غلام آزاد کیے اور شلوار پہن لی حالانکہ اس دن سے پہلے آپ رضی اللہ عنہ نے کبھی بھی شلوار نہ پہنی تھی نہ زمانہ اسلام میں اور نہ ہی جاہلیت میں اور اس لئے پہنی کہ

اس میں زیادہ ستر پوشی ہے۔

جیسا کہ حدیث شریف میں بھی ہے اور اس کو میں نے اپنی کتاب در الغمامۃ فی فعل العذبۃ والطیلسان والعمامۃ میں نقل کیا ہے۔

پھر آپ رضی اللہ عنہ نے قرآن مجید لانے کو کہا اور اس کو عمدہ خوشبو لگائی اور آپ رضی اللہ عنہ اس حال میں شہید کئے گئے کہ قرآن پاک آپ رضی اللہ عنہ کے سامنے تھا۔

(مسند احمد: مسند عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ: جز: 1، ص: 500)

ایک اور روایت جس کے تمام رجال ثقہ ہیں ان میں سے بعض نے بعض سے سنا کہ جب آپ رضی اللہ عنہ نے یہ خواب دیکھا تو آپ رضی اللہ عنہ نے اپنا دروازہ کھولا اور اپنے سامنے قرآن پاک رکھ لیا پھر محمد بن ابی بکر آپ رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور آپ رضی اللہ عنہ کی لحیہ مبارک کو پکڑ لیا۔

تو آپ رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا کہ

تو نے مجھے ایسی جگہ سے پکڑا اور تو میرے پاس ایسی جگہ پر آیا کہ اگر تمہارے والد ہوتے تو کبھی ایسا نہ کرتے۔ یہ سن کر اس نے داڑھی مبارک چھوڑ دی اور وہاں سے چلے گئے۔ پھر آپ رضی اللہ عنہ کے پاس ایک اور شخص آیا۔

آپ رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا:

موت بہت سخت ہوتی ہے۔ اس پر اس نے آپ رضی اللہ عنہ کا گلا گھونٹا اور چلا گیا اور عذر بیان کرتے ہوئے کہنے لگا کہ میں نے ان کے حلق سے زیادہ نرم چیز کوئی نہیں دیکھی پھر ایک اور آیا۔

پس آپ رضی اللہ عنہ نے اس سے کہا کہ

تیرے اور میرے درمیان یہ کتاب منصف ہے جو کہ کتاب اللہ ہے پھر وہ بھی چلا گیا۔ پھر ایک اور شخص آیا اور اپنی تلوار سے آپ رضی اللہ عنہ کو مارا اس تلوار کو آپ رضی اللہ عنہ نے اپنے دست مبارک پر روکا جس سے ہاتھ کٹ گئے۔ قرآن مجید آپ رضی اللہ عنہ کے سامنے تھا۔ (صحیح ابن حبان: ذکر تسبیل عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ: جز: 15، ص: 360)

اور ایک روایت میں ہے کہ

آپ رضی اللہ عنہ کا خون مبارک اللہ تعالیٰ کے اس فرمان مبارک پر گرا۔

فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللّٰهُ ۚ وَ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ○ (البقرہ: 137)

اس کے راوی کہتے ہیں کہ

یہ خون اسی طرح اس قرآن پاک پر رہا اور اسے صاف نہ کیا گیا۔ جب آپ رضی اللہ عنہ کو شہید کیا جانے لگا تو آپ رضی اللہ عنہ کی زوجہ ان پر جھک پڑیں۔

باغیوں نے کہا کہ

دیکھو تو سہی اس عورت کے سرین کتنے بڑے ہیں۔

راوی نے کہا کہ

اس فحش گفتگو سے معلوم ہوا کہ ان دشمنان خدا کا مقصود دنیا کے سوا کچھ نہیں تھا۔

(صحیح ابن حبان: ذکر تسبیل عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ جز:15،ص:361)

راوی کہتے ہیں کہ

ثابت ہوا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو 10 ذی الحجہ کو شہید کیا گیا۔

(تطہیر الجنان واللسان عربی: خاتمہ:ص:47)

اور ایک روایت جس کی سند منقطع ہے اس میں ہے کہ

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو آٹھویں ذی الحجہ 35ھ کو شہید کیا گیا اور آپ رضی اللہ عنہ کی خلافت کی مدت 12 سال تھی مگر 12 دن کم تھے۔

(مسند احمد: مسند عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ: ج:2،ص:19)

اور ایک اور روایت ہے کہ

آپ رضی اللہ عنہ کو غسل کے بغیر ہی دفن کیا گیا۔

(تطہیر الجنان واللسان عربی: خاتمہ:ص:47)

اور حدیث منقطع سے ثابت ہے کہ

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے آپ رضی اللہ عنہ کا جنازہ پڑھایا اور آپ رضی اللہ عنہ کو دفن کیا اسی کی آپ رضی اللہ عنہ نے وصیت بھی کی تھی۔

اور صحیح حدیث میں ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک فتنہ کا ذکر کیا تو قریب ہے ایک مرد اونچی آواز کرتے ہوئے گزرا۔

تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

یہ اور میرے اصحاب ایک روز حق پر ہوں گے۔ ایک شخص نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے کندھوں سے پکڑ کر نبی کریم

صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف آپ رضی اللہ عنہ کا چہرہ کیا

اور عرض کیا:

کیا یہ یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)!

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ہاں! یہ ہی۔

(مسند ابن ابی شیبہ بعد ابو مسند علی الہدیٰ فانطلق رجل فاغذ جز:2،ص:26)

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے صحت کے ساتھ ثابت ہے کہ

ارشاد فرمایا:

تم میرے بعد آزمائش میں ڈالے جاؤ گے اور اختلاف میں ڈالے جاؤ گے۔

عرض کیا گیا:

یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! ہماری کچھ رہنمائی فرمادیں۔

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

تم پر اپنے امیر اور اصحاب رضی اللہ عنہم کی اطاعت لازم ہوگی۔

(مستدرک: کتاب الفتن والملاحم: جز:4،ص:480)

اسی طرح حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ جو کہ مشہور صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور بنی اسرائیل کے علماء میں سے چوٹی کے عالم تھے۔

آپ رضی اللہ عنہ سے ایک روایت ایسی مروی ہے کہ جو توقیف کے بغیر نہیں کہی جاسکتی۔

آپ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ

جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا محاصرہ کیا گیا، ہجرت نبوی سے اس دن تک فرشتے مدینہ منورہ کو ڈھانپے رکھتے تھے لیکن جب محاصرہ کیا گیا اور ان لوگوں نے آپ رضی اللہ عنہ کو شہید کیا۔ فرشتے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے چلے گئے اور کبھی واپس نہ لوٹیں گے اور تلوار ان سے ہمیشہ میان میں رکھی گئی تو جب انہوں نے آپ رضی اللہ عنہ کو شہید کیا یہ تلوار ان پر سونت دی گئی اور یہ ان سے اب کبھی بھی میان میں نہ رکھی جائے گی کبھی بھی کسی نبی کو شہید نہیں کیا گیا مگر اس کے بدلے میں (70) ستر ہزار قتل کیے گئے اور کبھی بھی کوئی خلیفہ شہید نہیں کیا گیا مگر اس کے بدلے میں 35 پینتیس ہزار قتل کیے گئے۔

(تطہیر الجنان واللسان عربی: خاتمہ، ص:47)

اور روایت میں ہے جس کے تمام راوی ثقہ ہیں کہ

کسی امت نے بھی خلیفہ کو قتل نہیں کیا مگر جب اللہ تعالیٰ نے ان کے درمیان اصلاح فرمائی تو 40 چالیس ہزار قتل کیے گئے۔

پھر جب حضرت علی رضی اللہ عنہ واپس ہوئے تو حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ ان کے رستے میں بیٹھ گئے
اور ان سے کہنے لگے کہ
کہاں کا ارادہ ہے۔
تو انہوں نے فرمایا کہ
عراق جانے کا۔
تو آپ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ
آپ رضی اللہ عنہ پر لازم ہے کہ منبر رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر بیٹھیں اور اسے لازم پکڑے رہیں۔
اور مجھے معلوم نہیں کہ
اللہ تعالیٰ آپ رضی اللہ عنہ کو نجات دے گا یا نہیں۔ اگر آپ رضی اللہ عنہ نے منبر کو چھوڑ دیا تو پھر دوبارہ کبھی نہ دیکھیں گے۔
اس پر اردگرد میں بیٹھے ہوؤں نے کہا کہ
ہمیں اجازت دو کہ ہم اسے شہید کر دیں۔
اس پر انہوں نے فرمایا کہ
بے شک عبداللہ بن سلام ہم میں سے مرد صالح ہیں۔
(تاریخ المدینۃ ج:4،ص:1176)

یہ ساری بحث تو وہ تھی جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے متعلق تھی۔ اس ساری بحث سے پتہ چلا کہ آپ رضی اللہ عنہ خلیفہ حق تھے اور آپ رضی اللہ عنہ نے حق ہی پر وفات پائی اور آپ رضی اللہ عنہ کو شہید کرنے والوں میں سے بعض فاسق بد دین تھے اور بعض باغی تھے اور ان کی تاویل بھی باطل تھی اور آپ رضی اللہ عنہ مظلوم شہید کیے گئے اور اس کا سبب وہ خط بنا تھا جس سے آپ رضی اللہ عنہ بالکل بری تھے، اور بنو امیہ میں سے بعض جماعت نے زبردستی جھوٹا قتل آپ رضی اللہ عنہ پر ڈالا تھا وہ بنو امیہ جن پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مقدس سے لعنت کی گئی تو لہٰذا تو غور وخوض کرنے والے کے ساتھ غور وفکر نہ کر اور کبھی بھی تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں کسی ادنیٰ سے شک وشبہ کی طرف بھی مائل ہو تو اللہ تعالیٰ سے اس پر توبہ کر اور بخشش کی بھیک مانگ اور ائمہ اہل سنت کی کتب کو دیکھ تا کہ تو ان لوگوں میں سے ہو جائے جن کا دین مضبوط اور قوی اور جن پر ان کی خواہشات اور تعصب غالب نہیں ہے۔

اور انہی میں سے ایک خلاصہ ذکر کرنا ہے جو کچھ جمل میں ہوا

اور اس کے ذکر کرنے کی مناسبت یہ ہے کہ

اس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ حق پر تھے اور ان سے جنگ کرنے والے ان پر بغاوت کرنے والے تھے تو جو کچھ ان کے بارے میں کہا جاتا ہے وہی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں کہا جاتا اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں صریح احادیث مبارکہ ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ حق پر تھے نہ کہ ام المومنین رضی اللہ عنہا اور نہ ہی ام المومنین رضی اللہ عنہا کا ساتھ دینے والے حق پر تھے لیکن یہ سارے معذور تھے تو اسی طرح امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں اور آپ رضی اللہ عنہ کا ساتھ دینے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں کہا جاتا ہے اور اس میں کئی ایسی باتیں بھی ہیں کہ کتب تاریخ وسیر میں جن کی کوئی اصل نہیں تو تم ان میں سے کسی بات پر کان مت دھرنا جیسا کہ ان کتب میں تو دیکھے گا مگر تو حافظ کے کلام میں دیکھے گا اور اس کو انہوں نے سند کے ساتھ بیان کیا ہے کہ جس کے نقل کرنے والے بھی سارے ثقہ ہیں۔

اس میں اہم بات کا خلاصہ یہ ہے کہ

جو ایسی سند کے ساتھ روایت آئی ہے جس میں متروک بھی ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان عبرت نشان ہے کہ

تمہاری ان قوموں کا کیا حال ہے کہ ان کے قائدین تو جنت میں جائیں گے مگر قومیں جہنم میں۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا:

* یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! اگر چہ یہ بھی ان کی مثل عمل کریں۔

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اگر چہ ان کی مثل ہی عمل کریں مگر یہ کیسے ممکن ہوگا؟

پھر ارشاد فرمایا:

ان کے قائدین تو اپنے پہلے اعمال کی وجہ سے جنت میں داخل ہوں گے اور ان کے متبعین اپنے محدثات کی وجہ سے آگ میں ڈالے جائیں گے۔

(معجم الاوسط: جز:7، ص:167)

اس کا معنی اور مطلب تو اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانے کہ ہوسکتا ہے یہ مطلب ہو کہ ان کے متبعین جو مجتہدین ہوں گے اور اس وجہ سے تو ان کو ثواب ملے گا اور ان کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے احدثوا نہیں فرمایا کیونکہ اجتہاد سے جو بھی نتیجہ نکلے اس پر مجتہد کو ثواب دیا جاتا ہے اور یہ وہ محدثین نہیں ہوسکتے جن کے بارے میں مذمت آئی ہے اور وہ متبعین جو مجتہد نہیں ہیں تو جو نتیجہ وہ اپنی رائے سے نکالتے ہیں وہ مذموم ہے اور یہی محدث مبتدع یعنی بدعتی ہے اور اس پر اس کو گناہ ہوگا اور ان قائدین کی اتباع ان کو نفع نہ دے گی اس نتیجہ میں جو انہوں نے اپنی فاسد رائے سے اخذ کیا ہے اور اس سے ہی وہ واضح ہو گیا جو حضرت عمار

رضی اللہ عنہ والی حدیث مبارکہ میں گزرا کہ وہ جنت کی طرف بھی بلا رہے تھے اور آگ کی طرف بھی تو اس کو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے بعض متبعین پر محمول کریں گے جو کہ مجتہد نہیں تھے کہ جب حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے ان کو ان کی فاسد رائے سے نکالے ہوئے نتیجہ کی طرف بلایا تو ان کو اس چیز کی طرف بلایا جو آگ میں جانے کا سبب تھا کہ اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی معافی نہیں۔ کیونکہ یہ بات تو پکی ہے اہل سنت کے نزدیک اس پر احادیث و آیات اور اجماع بھی منعقد ہے کہ جو کوئی مومن فاسق مرا تو وہ اللہ تعالیٰ کی مشیت پر منحصر ہے اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو اسے معاف فرمادے اور اسے جنتیوں کے ساتھ داخل جنت فرمادے اور اگر چاہے تو اس کے گناہوں کی مقدار یا بعض گناہوں کے بدلے اسے جہنم میں رکھے پھر اس کو بھی جنت میں داخل فرمادے اور جو مشرک مرا تو اللہ تعالیٰ اسے معاف نہیں فرمائے گا اور وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے آگ میں رہے گا۔

اور ایک سند کے ساتھ مروی ہے کہ جس میں ایسا راوی بھی ہے جو کہ احادیث منکر روایت کرتا ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

میرے صحابی سے اگر کوئی بھی چھوٹی سی لغزش ہو جائے تو اللہ تعالیٰ اسے معاف فرمادے گا اور اس کے بعد ایسی قوم آئے گی کہ اللہ تعالیٰ ان کو نتھنوں کے بل جہنم میں پھینک دے گا۔

(معجم الاوسط: من اسمہ بکر جز:30: ص:300)

ویسے تو جو راوی منکر حدیث روایت کرے تو اس کی سند سے حجت پکڑنا درست نہیں اگر اس روایت کو صحیح مان لیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ **حسنات الابرار سیئات المقربین**۔

یعنی مراد یہ ہے کہ

لغزش سے مراد وہ فعل ہے جو خلاف اولیٰ ہو کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تمام کے تمام ہی عادل ہیں اور مجتہد ہیں درستگی پر کہ جس کے علاوہ پر کسی ایک کے لئے اعتقاد رکھنا جائز نہیں لیکن اس کے باوجود کسی سے کچھ ایسا سرزد ہو جائے جو ان کے مقام کے لائق نہیں تو ان کی طرف نسبت کرتے ہوئے ان کو معذور ہی سمجھا جائے گا جیسا کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا اپنے بیٹے یزید کو اپنے پیچھے خلیفہ مقرر کرنا کیونکہ بیٹے کی محبت کی زیادتی ان کے لئے مزین ہوگئی اس کو بظاہر اچھا دیکھنے کی وجہ سے اور اس کے عیوب سے آپ رضی اللہ عنہ کی آنکھیں بند ہوگئیں وہ کہ جو موسم بہار کے سورج سے بھی واضح تھیں تو یہ چیز حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے مقام کے لحاظ سے ایسی لغزش تھی جسے اللہ تعالیٰ معاف فرمادے گا اور اس میں ان کی پیروی بھی درست نہیں کہ جس نے اس فعل میں ان کی پیروی کی اسے اللہ تعالیٰ نتھنے کے بل آگ میں پھینک دے گا کیونکہ یہ پیروی کرنے والا فقاہت اور اجتہاد نہ ہونے کی وجہ سے معذور نہ ہوگا۔ اسی وجہ سے ہمارے ائمہ مجتہدین نے فرمایا کہ علماء کی لغزشوں کی پیروی کرنا کسی ایک کے لئے بھی جائز نہیں۔ یعنی کبھی بعض علماء کو ان کا اجتہاد ایسے امر بعید کی طرف لے جاتا ہے جو ادلہ اور قواعد سے بہت ہی بعید ہوتا ہے تو اس کو ان کے حق میں لغزش قرار دیا جاتا ہے اور دوسروں کو اس چیز میں ان کی اتباع سے منع کیا جاتا ہے۔

جیسا کہ بعض سلف سے منقول ہے کہ

جس شخص نے روزے کی نیت کی ہوتو اگر وہ فرضی روزہ ہوتو روزہ توڑنے والی کوئی چیز بھی اس کے لئے طلوع شمس سے پہلے حرام نہیں اور اگر نفل ہوتو زوال تک حرام اسی طرح بقیہ مسائل کو بھی قیاس کرلو، اور ایک روایت جو حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ تک موقوف ہے اس کے رجال تمام کے تمام صحیح ہیں مرفوع بھی ہے لیکن اس میں ضعف بہت ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ

ضرور بالضرور ایک گروہ ایسا ہے کہ ان کا قائد جو جنت میں داخل ہوگا اور پیروکار جہنم میں۔

(مسند البزار: مسند حذیفۃ بن الیمان رضی اللہ عنہ: جز:1،ص:427)

حدیث موقوف ہوتو اس میں اگر استدلال کرنا ہوتو اس کی سند کی صحت کے ساتھ ہی کیا جاسکتا ہے اور یہ روایت بھی ایسی ہے جو اپنی طرف سے نہیں کہی جاسکتی۔

اور حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہیں اور فتنوں سے متعلق زیادہ انہی کو بتایا گیا تھا تو ان کا یہ فرمانا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے بغیر نہ ہوگا اور اس روایت کا معنیٰ گزر چکا ہے کہ امیر مجتہد ہوگا اور اتباع کرنے والا غیر مجتہد اور اپنی آراء سے وہ نئی باتیں بنائیں گے جو ان میں نقص اور عذاب کا باعث ہوگا۔

اس کی سند میں ایک راوی کے بارے میں امام ذہبی نے کہا کہ

وہ منکرات میں سے ہے۔

ایک دوسرے راوی کے بارے میں ابونعیم نے کہا کہ

کوفہ میں اس سے زیادہ جھوٹا شخص کوئی نہیں تھا لیکن امام حافظ جلیل ابوحاتم نے اس کو ثقہ کہا ہے۔

ایک یہ بھی خبر ہے کہ

حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ

آپ کو جنگ جمل میں شرکت کرنے والا ہونے سے کس چیز نے روکا۔

تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ایک قوم اپنے گھروں سے نکلے گی اور ہلاک ہوجائے گی وہ فلاح نہ پائیں گے ان کی قیادت عورت کررہی ہوگی اور ان کی قائد جنت میں ہوگی۔

(مسند البزار: مسند ابی بکرہ رضی اللہ عنہ: جز:2،ص:47)

اس حدیث مبارکہ کی شاہد دوسری صحیح حدیث ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

وہ قوم ہلاک ہوگی جس نے اپنا معاملہ عورت کے سپرد کیا۔

(سنن الکبریٰ للبیہقی: باب لا یاتم رجل بامراۃ: جز:3، ص:90)

اور یہ حدیث اس طرح کی ہے جیسا کہ پیچھے گزر گیا کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا تو خود مجتہدہ تھیں اسی وجہ سے وہ جنتی ہوئیں اور آپ رضی اللہ عنہا کے متبعین میں سے کچھ تو وہ تھے جو مجتہد تھے تو یہ سارے بھی آپ رضی اللہ عنہا کی ہی طرح جنتی ہیں اور جو ایسے نہ تھے تو وہ اپنے احداث اور بدعت کے سبب جہنم میں جائیں گے۔

اور ایک روایت جس کے تمام راوی ثقہ ہیں اس میں ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اے علی رضی اللہ عنہ! عنقریب تمہارے اور عائشہ رضی اللہ عنہا کے درمیان کوئی معاملہ ہوگا۔

تو انہوں نے عرض کیا کہ

کیا میں یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)؟

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ہاں تم

پھر انہوں نے عرض کیا:

پھر تو میں ان سب میں زیادہ شقی ہوں گا۔

تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ

نہیں۔ جب اس طرح کا معاملہ ہو تو اس کو اس کے امن کی جگہ پہنچا دینا۔

(معجم الکبیر: ابی رافع مولیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جز:1، ص:332)

اب اس حدیث مبارکہ میں غور کرو اس میں تو ہر قسم کے شک وشبہ کو ختم کر دیا گیا ہے کیونکہ یہ اس بارے میں صریح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس چیز کی پہلے سے ہی خبر دے دی تھی جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے درمیان معاملہ ہونا تھا۔

اور یہ بھی بتایا تھا کہ

حضرت علی رضی اللہ عنہ اس میں حق پر ہوں گے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اپنی طرف سے اپنی تاویل کرنے والی ہوں گی جس پر انہیں ثواب ملے گا' اور اس میں فقط حضرت علی رضی اللہ عنہ کو وصیت فرمائی اور ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو اس بارے میں نہ تو روکا اور نہ ہی کچھ بتایا کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ جانتے تھے کہ امر ضرور بالضرور ہو کر رہے گا تو اس کے بعد

بھی فقط ایک تنبیہ ہی باقی رہتی ہے اس عذر پر جو عنقریب ان سے ہوگا اسی طرح کہا جائے گا اس تمام معاملے کے بارے میں جو تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے واقع ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس کو جانتے تھے اس کے باوجود کسی ایک کو بھی منع نہ فرمایا۔

فقط اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے جس سے وہ عذر واقع ہوگا اس کی طرف اشارہ فرمادیا عنقریب دوسری احادیث بھی آئیں گی جو اس پر دلالت کرتی ہیں۔

اور سند صحیح کے ساتھ روایت ہے کہ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جب مقام ''حواب'' میں پہنچیں تو وہاں پر آپ رضی اللہ عنہا نے کتوں کے بھونکنے کی آواز سنی۔

اس پر آپ رضی اللہ عنہا فرمانے لگیں کہ

مجھے واپس لوٹ جانا چاہئے۔

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ

تم میں سے کون ہے جس پر مقام حواب کے کتے بھونکیں گے۔

اس پر حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ

آپ رضی اللہ عنہا واپس نہ جائیں عنقریب اللہ تعالیٰ آپ رضی اللہ عنہا کے ذریعے سے لوگوں میں اصلاح فرمائے گا۔

(مستدرک: ذکر اسلام امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ ج:3، ص:139)

(صحیح ابن حبان: باب اخبارہ صلی اللہ علیہ وسلم عما یکون: ج:15، ص:126)

ایک اور سند صحیح کے ساتھ روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواج سے ارشاد فرمایا کہ

تم میں سے صاحب جمل کون ہے جس پر مقام حواب کے کتے بھونکیں گے۔ اس کے دائیں جانب اور بائیں جانب بہت سے مقتول ہوں گے۔ پھر ہلاکت کے قریب پہنچ کر نجات پائے گی۔

(البدایہ والنہایہ ج:6، ص:236)

اور یہ بھی صحیح روایت میں آیا ہے کہ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا گزر پانی کے اس چشمہ پر ہوا جو بنی عامر کی ملک میں تھا اور اس کو لوگ حواب کہتے تھے وہاں پر کتوں نے بھونکنا شروع کیا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

یہ کون سا مقام ہے؟

لوگوں نے کہا:

بنی عامر کا چشمہ ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

مجھے واپس لے چلو۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ایک عورت پر مقام حواب کے کتے بھونکیں گے۔

(البدایہ والنہایہ: جزء:7،ص:258)

اور ایک سند صحیح کے ساتھ روایت ہے کہ

ایک بار حضرت علی رضی اللہ عنہ کا گزر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ہوا آپ صلی اللہ علیہ وسلم مہاجرین اور انصار کی جماعت میں بیٹھے ہوئے تھے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

میں تمہیں بتاؤں کہ تم سب میں بہتر کون لوگ ہیں۔

لوگوں نے عرض کیا کہ

آپ صلی اللہ علیہ وسلم خود ارشاد فرمائیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

تم میں سے سب سے بہتر لوگ وہ ہیں جو عہد وفا کرنے والے ہیں اور پوشیدہ طور پر اعمال صالحہ کرتے ہیں۔ بے شک اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو دوست رکھتا ہے۔ پھر جب حضرت علی رضی اللہ عنہ وہاں پر پہنچے

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

حق اس کے ساتھ ہے۔

(مسند ابی یعلیٰ: من مسند ابی سعید الخدری رضی اللہ عنہ: جز:2،ص:318)

اعتراض

اگر تم یہ اعتراض کرو کہ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ اس حدیث مبارکہ کو سن چکے تھے تو پھر انہوں نے کیسے یہ کہہ دیا کہ جو کمل ہے ان سے نقل کیا گیا ہم نہیں کہ ہم حق پر ہیں یا خطا پر ہیں۔

جواب

تو میں اس کا یہ جواب دوں گا کہ اس روایت میں کہیں بھی مذکور نہیں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس حدیث کو سنا تھا اور بالفرض اگر سنا بھی ہو تو بوجہ غایت تواضع کے ایسا فرمایا ہوگا۔

یا مطلب ان کا یہ ہوگا کہ

ایسے واقعہ میں جو نفس الامر سے قریب تھا ہم سے خطا ہوگئی ہو کیونکہ مجتہد کو ثواب ملتا ہے اگر چہ وہ خطا بھی کرے جیسا کہ اوپر گزر گیا ہے اور اس کے حق میں علی الاطلاق کہا جا سکتا ہے کہ وہ حق پر ہے لیکن ہر ہر معاملہ میں علیحدہ علیحدہ ایسا اعتقاد رکھنا ضروری ہے کہ اس کا اجتہاد اگر اللہ تعالیٰ کے نزدیک موافق حق ہوا تو وہ المضاعف کا ثواب پائے گا اگر موافق نہ ہوا تو اصل ثواب ضرور پائے گا۔

اور ایک روایت جس کی سند میں ایک ایسا راوی ہے جس کے بارے میں امام بخاری نے فرمایا کہ اس کی حدیث صحیح نہیں ہوتی ہے۔

روایت میں یوں ہے کہ

جب حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کا جمل میں اتفاق ہو گیا۔

تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا کہ

اے زبیر رضی اللہ عنہ! کیا میں آپ کو وہ بات یاد نہ دلاؤں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کیا آپ رضی اللہ عنہ نے یہ فرماتے ہوئے نہ سنا تھا کہ

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا کہ

تو میرے ساتھ جنگ کرے گا اور تو مجھ پر ظلم کرنے والا ہوگا۔

انہوں نے فرمایا:

جی ہاں! ایسا ہی تھا۔

اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ

یہ بات مجھے یہاں ہی یاد آئی اور یہاں ہی ذکر کی پھر آپ رضی اللہ عنہ چلے گئے۔ تو انہوں نے لڑائی سے رجوع کر لیا۔

(حقائق الکبریٰ: ذکر المعجزات فیما اخبر من الکوائن: جز:2، ص:207)

(مسند ابی یعلیٰ: من مسند الزبیر بن العوام جز:4، ص:241)

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے لئے ظلم ثابت کرنا باوجود اس کے کہ آپ رضی اللہ عنہ اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے تھے باوجود اس کے کہ آپ رضی اللہ عنہ نے تاویل کی تھی جو آپ رضی اللہ عنہ کے لئے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف خروج کو جائز کر رہی تھی۔ اتفاقاً یہ بھی مشکل ہے مگر اس کا جواب یہ دیں گے کہ مراد یہ ہے کہ اگر اس دلیل میں گہری نظر سے دیکھیں جس سے آپ رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ پر خروج کر رہے ہیں تو آپ کو یہی لگے گا کہ آپ رضی اللہ عنہ ہی ظلم کرنے والے ہیں کیونکہ ظلم سے مراد یہاں خلاف اولیٰ کام ہے جیسا کہ حدیث صحیح میں آیا ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

وضو کرتے ہوئے جس نے تین دفعہ سے کمی یا زیادتی کی تو اس نے برا کیا اور ظلم کیا۔

مطلب اس کا یہ ہے کہ

اس نے خلاف اولیٰ کیا۔

اور ایک سند جس میں ایک ایسا راوی ہے جس کے بارے میں حافظ ہیثمی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں اس کو نہیں جانتا اور اس کے بقیہ رجال ثقہ ہیں۔

اور صحیح حدیث یہ ہے کہ

حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ

علی (رضی اللہ عنہ) جہاں بھی ہو علی رضی اللہ عنہ حق کے ساتھ ہیں اور حق علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہے۔

ان سے پوچھا گیا کہ

آپ رضی اللہ عنہ کے ساتھ اور کس نے یہ بات سنی۔

تو انہوں نے فرمایا:

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے۔

تو ان کی طرف پوچھنے کے لئے ایک بندہ کو بھیجا گیا تو انہوں نے بھی اثبات میں ہی جواب دیا۔

ایک شخص نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے کہا کہ

آپ رضی اللہ عنہ نے جب سے یہ کہا اس وقت سے میں اپنے آپ کو ملامت کر رہا ہوں کیونکہ اگر یہ بات میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سن لیتا تو میں مرنے تک حضرت علی رضی اللہ عنہ کا خادم رہتا۔

(الفتنۃ فی عہد الصحابۃ جز:1،ص:297)

اور ایک ایسی سند جس کے تمام راوی ثقہ ہیں۔

روایت ہے کہ

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ صاحب اسرار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

تمہارا کیا بنے گا حالانکہ تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر والے فریقین کی شکل میں آمنے سامنے ہو گئے یعنی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ اور بعض نے بعض کے چہروں پر تلواروں سے ضربیں لگائیں۔

آپ سے پوچھا گیا کہ

اگر ہم اس صورت حال کو پالیں تو ہم کیا کریں۔

تو آپ نے فرمایا:

اس گروہ کی طرف دیکھو جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے امر کی طرف بلاتا ہے اور اس کو ہی لازم پکڑو کہ بے شک وہ ہی درست بات پر ہے۔

(مسند البزار: مسند حذیفۃ بن الیمان رضی اللہ عنہما: جز: 1، ص: 430)

اور یہ بات آپ نے اپنے خیال سے نہیں کی بلکہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے یہ بات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سن کر ہی کی ہے اس میں اس بات کی تصریح موجود ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ حق پر ہیں اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور ان کا ساتھ دینے والے تاویل کرنے والے ہیں نہ کہ ان کے غیر (جیسا کہ مجتہد و غیر مجتہد کا فرق پیچھے آیا) جیسا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا معاملہ تھا۔

اور ایک ایسی روایت بھی ہے کہ اس میں ایک راوی ہیں جس کے بارے میں حافظ مذکور نے کہا ہے کہ

میں نہیں جانتا۔

روایت ہے کہ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس زمانے کے بارے میں بتایا کہ میں تمہیں ایسی بات بتاتا ہوں نہ تو اعلانیہ ہے اور نہ پوشیدہ ہے۔ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ والا معاملہ ہوا تو میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا کہ آپ رضی اللہ عنہ دور رہیے کہ اگر میں کسی سوراخ کو پاتا تو میں اس میں چلا جاتا حتیٰ کہ آپ رضی اللہ عنہ مجھے نکلنے کا کہتے تو میں باہر آتا لیکن انہوں نے میری بات نہ مانی۔ پس اللہ تعالیٰ کی قسم حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اس امر میں غالب ہیں۔

کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

جو شخص بحالت مظلوم ہونے کے مارا جاتا ہے اس کے ولی کو ہم صریح غلبہ عنایت کرتے ہیں۔

اور ضرور تمہیں قریش ابھاریں گے۔ فارس اور روم کے طریقے پر اور تم ایک دوسرے پر یہود نصاریٰ اور مجوسیوں کو امانت دار بناؤ گے۔

تو جس نے تم میں سے اس چیز کو پکڑا جو بہتر سمجھا تو اسی نے نجات پائی۔

(تطہیر الجنان واللسان: خاتمہ: ص: 51)

اب اس گواہی پر بھی غور و فکر کرو جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی طرف سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے لئے اور آپ رضی اللہ عنہ نے ان کے لئے ثابت کر دی امارت کہ جس کے بعد ان کو خلافت بھی ملے گی۔ کیونکہ ان کے قریبی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کیا گیا ظلماً اور ناحق طور پر کہ جس بناء پر اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے واضح دلیل بنائی مطالبے پر اور ان کی

مدد فرمائی ہمیشہ کے لئے۔

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک ضعیف حدیث روایت ہے کہ

جب حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنے قریبیوں کے ساتھ بصرہ تک آئے تو انہیں خبر ملی کہ ان کے گروہ والے حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہما کے لئے جمع ہو رہے ہیں تا کہ ان کے ساتھ مل کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ جنگ کریں۔ یہ بات ان پر بہت ناگوار گزری اور ان کے دلوں میں پیوست ہو گئی تو ان پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے قسم اٹھائی کہ وہ ضرور بالضرور اہل بصرہ پر غالب ہوں گے اور حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہما کو ضرور شہید کریں گے اور ان کی طرف کوفہ سے (6550) چھ ہزار پانچ سو پچاس آدمی نکالیں گے۔

یا یوں کہا کہ

(5550) پانچ ہزار پانچ سو پچاس آدمی نکالیں گے۔

راوی کو اس میں شک ہے کہ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ

مجھے یہ بات بہت سخت لگی پھر میں یہ دیکھنے کے لئے نکلا کہ معاملہ کیا ہے اگر تو اسی طرح ہے جس طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ فرما رہے ہیں تو یہ بہت ہی خلاف عقل بات ہے اور اگر ایسا نہیں ہے تو یہ جنگی دھوکہ ہے تو میں نے لشکر میں سے ایک شخص کو دیکھ کر پوچھا تو اس نے بھی وہی بات بعینہ کی جو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بتائی تھی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جس طرح خبر دی تھی بعینہ اسی طرح ہی ہوا۔

اور یہ اس وجہ سے تھا کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کو غیب کی خبریں بتاتے تھے تو پھر وہ اسی طرح خبر دیتے تھے جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی تھی تو جو شخص حضرت علی رضی اللہ عنہ کی دی ہوئی خبروں کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرے تو وہ سچا ہے اور اس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی عظیم منقبت پائی جاتی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے علوم غیبیہ سے ان کو بھی حصہ عطا فرمایا۔

اسی وجہ سے تو علم نبوی کا ایک شہر اور عظیم راز کا راز داں تھے۔

اور ایک اور سند جس میں دو راوی ایسے ہیں کہ حافظ ہیثمی ان کے بارے میں کہتے ہیں کہ

میں ان کو نہیں جانتا کہ کیسے ہیں۔

اور بقیہ رجال ثقہ ہیں۔

روایت یوں ہے کہ

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ جمل کے دن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو

ندادینے لگے۔ جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے آپ رضی اللہ عنہ کو پہچان لیا تو اپنے متبعین سے کہا کہ

ان سے پوچھو کس لیے آئے ہو۔

تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

میں اس کتاب کی قسم کھاتے ہوئے آپ کو وہ بات یاد دلاتا ہوں کہ جو کتاب اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کی آپ رضی اللہ عنہا کے گھر میں کہ کیا آپ رضی اللہ عنہا نہیں جانتیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنے اہل میں اور ان کے اہل میں وصی بنایا تھا۔

تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

اللہ تعالیٰ کی قسم! ایسا ہی ہے۔

تو حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

تو اب آپ رضی اللہ عنہا کا کیا خیال ہے۔

تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرمانے لگیں کہ

میں امیر المومنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خون کا بدلہ لینا چاہتی ہوں پھر اس کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئے اور وہی بات کی جو حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے کہی تھی۔

تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے پھر فرمایا کہ

میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خون کا بدلہ چاہتی ہوں۔

تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

مجھے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتل تو دکھائیں۔

اور یہ کہہ کر آپ رضی اللہ عنہ واپس چلے گئے اور اس کے بعد پھر گھمسان کی جنگ ہوئی۔

اور اس میں جو وصیت گزری اس سے مراد خاص وصیت ہے نہ کہ عام وصیت اور وصایا عامہ مراد نہیں جس سے مراد خلافت ہے۔ جیسا کہ یہ آپ کے فرمان "علی اهله"، "وفی اهله" سے واضح ہے۔

اور ایسی ایک اور سند ہے جس کے رجال ایک کے علاوہ بقیہ تمام ثقہ ہیں اور وہ ایک ضعیف ہیں اور اس کے ساتھ یہ بھی حدیث لکھی گئی کہ جب انہوں نے یہ مذکورہ باتیں کیں۔

تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ

میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دس سے زیادہ بیٹے عبدالرحمان بن حرث بن ہشام اور عبداللہ بن زبیر کی طرح کے جن میں سے تو مجھے اس سے زیادہ محبوب بات یہ ہے کہ میں اس جنگ سے واپس ہو جاؤں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دوسری ازواج

کی طرح۔

اور ایک سند جسے اسحاق بن راہویہ نے احنف بن قیس سے روایت کیا کہ انہوں نے حضرت عائشہ، حضرت زبیر اور حضرت طلحہ رضی اللہ عنہم سے مشورہ لیا کہ اگر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے تو کس کی بیعت کی جائے تو ہر ایک نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت کرنے کا مشورہ دیا تو ان کی ہی انہوں نے بیعت کی۔ پھر جب آپ رضی اللہ عنہ بصرہ کی طرف آئے تو یہ تینوں ان کے ساتھ جنگ کا ارادہ رکھتے تھے تو انہوں نے پھر ان تینوں کو وہ مشورہ یاد دلایا۔

تو انہوں نے کہا کہ

ہم تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خون کا بدلہ چاہتے ہیں جنہیں ظلماً قتل کیا گیا۔

تو حضرت احنف نے قسم اٹھائی کہ

میں نہ ان لوگوں سے لڑوں گا اور نہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے لڑوں گا۔

(تطہیر الجنان واللسان: خاتمہ: ص:52)

تنبیہ

میں نے جن چیزوں کا تذکرہ دوسری جگہوں پر کیا ہے ان میں سے جن کی مناسبت اس جگہ کے ساتھ ہے میں پسند کرتا ہوں کہ اس کو (بھی) یہاں بیان کر دوں۔ اگرچہ جس کا تذکرہ میں کرنے لگا ہوں اس کی اکثر باتیں پہلے گزر چکی ہیں (اس کے باوجود) اس میں کچھ اچھے اضافے بھی کروں گا۔

ان میں سے ایک تو یہ ہے کہ

جب جمل کے دن حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے گھوڑے دوڑائے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اسے پکارا جبکہ دونوں لشکروں کے جانوروں کی گردنیں آپس میں مل چکی تھیں۔

اور ارشاد فرمایا:

تجھے اللہ تعالیٰ کی قسم یاد دلا کر کہتا ہوں کہ

وہ دن مجھے یاد ہے کہ جب اللہ عزوجل کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اللہ تعالیٰ کی قسم! ضرور تجھ سے جنگ کی جائے گی اور تیرے ساتھ جنگ کرنے والا تجھ پر ظلم کرنے والا ہوگا۔ اس وقت میں نے تیرے کان میں سرگوشی کی تھی اور سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کے کان میں بھی سرگوشی کی تھی۔

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے جواباً کہا:

جی ہاں! اللہ عزوجل کی قسم اس جگہ ٹھہرنے سے پہلے مجھے یہ بات کبھی یاد نہ تھی۔

(تاریخ مدینہ دمشق ذکر من اسمہ زبیر: ج:18، ص:406)

اسے ابوبکر بن ابی شیبہ اور اسحاق بن راہویہ اور ابویعلی نے روایت کیا ہے۔

اس روایت سے اور اس کے علاوہ دوسری روایات سے معلوم ہوا کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم تھا کہ بعد میں کیا ہوگا؟ اور ایسی خبر دی کہ جس کے اندر صراحت موجود ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ حق پر ہوں گے اور جو ان کے مقابلے میں لڑیں گے وہ خطا پر ہوں گے لیکن وہ اپنے گمان میں اپنے آپ کو حق پر جانیں گے کیونکہ ان کے ذہن میں بھی کوئی تاویل ہوگی جیسا کہ اس کی تحقیق پہلے بھی گزر چکی ہے۔ اس خبر دینے کے باوجود حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ نرمی کا سلوک کرنے اور امن والا معاملہ کرنے کا حکم دیا۔

اور اس میں واضح دلیل ہے کہ

وہ تاویل کے سبب معذور ہیں ورنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کی زیادتی اور مخالفت کے بارے میں بھی ضرور خبر دیتے۔

اور بعضوں نے تو سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کے اس (وانت ظالم له) کی تطبیق یہ دی ہے کہ یہاں ظلم سے مراد (اس کا لغوی معنی ہے اور وہ) یہ ہے کہ کسی چیز کو اس کے غیر محل میں رکھنا اگرچہ اس میں گناہ نہ ہو اور یہی معنی اس حدیث وضو کا ہے کہ

جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جو تین پر زائد کرے اس نے برا کیا اور ظلم کیا۔

اس حدیث مبارکہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اساءت اور ظلم کے الفاظ اس عمل کے لئے استعمال فرمائے ہیں جو حرام نہیں ہے اس بیان اور وضاحت کے اندر غور وفکر کرو (تو معاملہ آسان ہو جائے گا)

میری مراد یہ ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور ان کے تبعین کے بارے میں سکوت فرمایا۔

اور یہ جو روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم اور اس کے بیٹوں پر لعنت فرمائی سوائے ان کے کہ جو ان میں سے نیک ہو جیسے کہ عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کہ یہ خلفاء راشدین کے ساتھ حکم میں، عدل میں اور دنیا سے کنارہ کشی کرنے میں ملحق ہیں درست نہیں ہے کیونکہ اس طرح تو لازم آئے گا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رحمت ہونے کے باوجود اس پر لعنت کر رہے ہیں کہ جو اس کا مستحق نہیں ہے۔

اور روایت صحیح میں ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں سے تین لوگوں کو خواب میں دیکھا کہ وہ منبر پر بندروں کی طرح چڑھتے ہیں۔ اس کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے وصال تک کبھی نہ ہنسے۔

ہوسکتا ہے کہ

ان سے مراد یزید بن معاویہ ہو کہ یہ سب سے زیادہ گندا اور سب سے زیادہ فاسق تھا بلکہ ایک جماعت تو اس کو کافر کہتی ہے، اور حدیث صحیح کی بھی یہی مراد ہے۔

قریش کے بے وقوف لوگوں کے ہاتھوں میری امت خسارہ اٹھائے گی۔ یہی لوگ انتہاء درجے کے ظالم اور فاسق ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے غلط ہونے کی خبر دے دی لیکن جنہوں نے حضرت عائشہ، حضرت زبیر، حضرت طلحہ اور حضرت معاویہ اور عمرو بن عاص اور اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ مل کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ جنگ کی ان کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی خبر نہ دی۔ بلکہ اہل بدر میں سے کسی کا کوئی نقص بھی بیان نہ فرمایا (سب کچھ جاننے کے باوجود ان کے بارے میں کچھ نہ کہنا) اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ یہ تمام لوگ کامل ہیں جیسا کہ اس کی تحقیق پہلے بھی گزر چکی ہے۔

اور یہ روایت بھی صحیح ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خوارج کی اور ان کی صفات کی خبر دی ہے اس آدمی کی بھی خبر دی کہ جو ان کے ساتھ ہوگا اور پھر ان کو ہی قتل کرے گا۔

عنقریب اس کا تذکرہ وضاحت کے ساتھ کروں گا اب ذرا سوچ کہ گمراہ لوگوں کی علامات اور ان کی مکمل پہچان نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرما دی لیکن اس کے باوجود دوسروں کے بارے میں کچھ کلام نہ فرمایا کیونکہ وہ معذور ہیں جیسا کہ اس کی تحقیق پہلے گزر چکی ہے۔

ابھی میں ایک روایت بیان کرتا ہوں کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خارجیوں کے بارے میں فرمایا کہ

ان کو دو گروہوں میں سے وہ گروہ ہلاک کرے گا کہ جو حق کے زیادہ قریب ہے۔

اس روایت میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے رفقاء کے بارے میں گواہی ہے اس بات پر کہ یہ حق ہیں۔ لیکن یہ حق پر ہونا ان کے اعتبار اور گمان کے لحاظ سے ہے۔

خبردار!

اس بارے میں بہت ساری باتیں ہیں جن کی کوئی اصل نہیں ہے۔ واقعہ جمل میں اس کی طرف اشارہ گزر چکا ہے۔

خوب جان لو کہ!

ایک روایت کہ جس کے تمام رجال صحیح ہیں صرف ایک کے بارے میں کلام ہے اس کو بھی ابن حبان نے ثقہ کہا ہے کہ

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

مجھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عہد توڑنے والوں، دین سے پھرنے والوں کے بارے میں خبر دی اور ارشاد فرمایا کہ

یہی خوارج ہیں۔
ان کے واقعہ کا بیان آئے گا۔
(بہرحال) حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پیروکار حق پر ہیں اور وہ بھی حق پر ہیں جنہوں نے ان کے طریقوں کو اپنایا کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ان سے اگرچہ جنگ کرنے کی اجازت تھی ان کو دین سے نکل جانے والا نہ کہتے تھے۔
جی ہاں! (اگرچہ کہ) ایک روایت ایسی بھی ہے کہ جو اس سے مختلف ہے لیکن اس کی سند ضعیف ہے کہ
جب حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے صفین کا ارادہ کیا
تو فرمایا کہ
مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عہد توڑنے والوں، ناخن کے تراشوں کی طرح، دین سے نکل جانے والوں سے جنگ کرنے کا حکم فرمایا۔
بر سبیل تسلیم اگر اس روایت کی صحت کو تسلیم کر لیں تو پھر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کے لئے اس طرح تاویل کریں گے کیونکہ انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی متابعت نہیں کی اس لئے وہ عہد توڑنے والے کہلائے۔
قاسطون (جدا ہونے والے) اس لئے کہلائے کہ انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اطاعت کرنے سے علیحدگی اختیار کی۔ اگرچہ ان کے پاس ایسی تاویل موجود ہے جو ان کے گناہ گار ہونے کے مانع ہے جس طرح ہم نے اس کی تاویل (ابھی) بیان کی ہے اس تاویل کی نظیر (مثال) گزر چکی ہے کہ تین بار دھونے پر کمی زیادتی کرنے کی نسبت ظلم اور اساعت کی طرف کرنا (ایک تاویل کے تحت ہے)
ضعیف روایت میں ہے کہ
حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ
بقیۃ الاحزاب (باقی ماندہ لشکر) کی طرف چلو اور غور کرو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول عزوجل وصلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان میں، کہ بے شک ہم کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول عزوجل وصلی اللہ علیہ وسلم نے سچ فرمایا۔
اور وہ کہتے ہیں کہ
اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول عزوجل وصلی اللہ علیہ وسلم نے جھوٹ کہا (نعوذ باللہ)
بقیۃ الاحزاب سے مراد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ہیں کیونکہ ابوسفیان رئیس الاحزاب تھے۔
اللہ تعالیٰ نے فریقین کے اقوال کی حکایت اس طرح فرمائی:
جب مومنوں نے احزاب (لشکروں) کو دیکھا تو بولے یہ وہی وعدہ ہے جو اللہ اور اس کے رسول نے فرمایا تھا اور اللہ اور اس کے رسول نے سچ فرمایا ہے۔

اور اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

جب منافقوں اور جن کے دلوں میں مرض ہے (دونوں) نے کہا کہ اللہ اور اس کے رسول تو صرف دھوکہ کا وعدہ کرتے ہیں۔

ان امور میں سے یوم صفین کے دو حکم بھی ہیں۔

صفین کے دن حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ حکم تھے اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے عمرو بن عاص حکم تھے۔

ایک سند کے ساتھ یہ روایت مروی ہے کہ جس کے بارے میں امام طبرانی نے کہا ہے کہ

ھو عندی باطل (وہ میرے نزدیک باطل ہے)

کہ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ

اس امت میں دو حکم ہوں گے دونوں ہی گمراہ ہوں گے اور وہ بھی گمراہ ہوگا جو ان کی اتباع کرے گا۔

ان سے عرض کی گئی:

اے ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ! غور کرو کہ ان میں سے ایک آپ رضی اللہ عنہ تو نہیں۔

اور ایک متروک سند میں ہے کہ

حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو کہا کہ

کیا تو نے نہیں سنا کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جو مجھ پر جان بوجھ کر جھوٹ باندھے وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں تیار کرے۔

پھر انہوں نے ان سے سوال کیا اس حدیث کے بارے میں کہ جس میں ہے کہ

عنقریب میری امت میں فتنہ ہوگا اور ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ تو اس میں اس انداز سے کھڑا ہوگا جو بیٹھنے والا ہوگا وہ تجھ سے بہتر ہوگا اور بیٹھنے والا بہتر ہوگا تجھ سے اور کھڑا ہونے والا تجھ سے بہتر ہوگا اس حال میں کہ جب تو چلنے والا ہوگا۔

(المفصل فی تاریخ العرب قبل الاسلام الصحیح: ج:16،ص:383)

پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ رضی اللہ عنہ کو خاص کیا لوگوں سے عمومی گفتگو نہیں کی (دراصل) حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے اس کلام کے ذریعے حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے فیصلہ کرنے کے لئے حکم بننے پر اعتراض کی طرف اشارہ کیا ہے۔ بے شک حضرت عمرو رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے ساتھ ایک حیلہ کیا تا کہ حضرت علی رضی

اللہ عنہ خلع کریں پھر حضرت عمرو رضی اللہ عنہ آئے اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ والی بن گئے اور یہ اس لئے کہ حضرت عمرو رضی اللہ عنہ عرب کے ہوشیار اور چالاک لوگوں میں سے تھے جس نے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو دھوکہ دیا اس دھوکے کے سبب سے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں نے اس خلع پر اعتماد نہ کیا اور نہ ہی اس کی تولیت پر اعتماد کیا اور ان کاموں پر قیاس کرلیا جو فیصلے سے پہلے ہو چکے تھے۔

اور ایک ایسی سند ہے جس میں دو آدمی ہیں۔

حافظ ہیثمی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

میں ان کو نہیں جانتا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کوفہ کے منبر پر کھڑے ہوئے جس وقت دونوں حکموں (فیصلہ کرنے والوں) نے اختلاف کیا۔

تو ارشاد فرمایا:

میں تمہیں اس حکومت سے منع کیا کرتا تھا پس تم نے میری نافرمانی کی۔

اتنے میں ایک نوجوان کھڑا ہوا اور سخت کلامی کرتے ہوئے کہنے لگا کہ

بلکہ آپ رضی اللہ عنہ نے ہمیں حکم دیا تھا۔

میں شک میں بری ہوں اس چیز سے جس چیز کے بارے میں آپ رضی اللہ عنہ ناپسندیدگی کا اظہار فرما رہے ہیں۔

تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

تو کون ہے، تیرا کلام کیسا ہے، خدا تیرا برا کرے۔

پھر ارشاد فرمایا:

اللہ تعالیٰ کی قسم! اگر گناہ ہے تو یہ صغیرہ ہے اور اگر مستحسن ہے تو بڑی مشکوری کے قابل ہے۔

(معجم الکبیر: نسبۃ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ: ج:1، ص:143)

اور کان کی ضمیر یا تو تحکیم کو خاص کرنے کے لئے ہے جس کے بارے میں کلام ہے یا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اپنے مخالفین، حضرت عائشہ، حضرت طلحہ، حضرت زبیر اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہم سے جنگ کرنے کے عموم کو یہاں بیان کرنے کے لئے ہے اور اس کو گناہ کہنا مقابل کے ساتھ ارخاء العنان کی جہت پر ہے اس حدیث کی وجہ سے جس کی صراحت کر چکا ہوں کہ

حدیث صحیح میں ہے کہ

خطا کرنے والا مجتہد ثواب کا حق دار ہے۔ عتاب کا حقدار نہیں ہے۔

اس کے اجتہاد کرنے میں کوئی گناہ نہیں ہے اور نہ ہی اس کے پیروکاروں پر کوئی عتاب و گناہ ہے۔

اوران امور میں سے وہ امور بھی ہیں جن کا تعلق حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے درمیان صلح کے ساتھ ہے۔

اور یہ خوب جان لو کہ!

اس کی وضاحت اس کے بعد آنے والی گفتگو کے دوران بیان کی جائے گی۔

صحیح حدیث میں ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اسلام کی چکی پینتیس یا چھتیس سال تک چلتی رہے گی۔

پس اگر ہلاک ہو گئے تو اور ہلاک ہونے والوں کا ایسا بھی حال ہوگا اور اگر ان کا دین درست نہ ہوا تو ستر (70) سال تک درست ہو جائے گا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

اس سے گزشتہ سال مراد ہیں یا آنے والے سال۔

ارشاد فرمایا:

آنے والے سال۔

اور ایک اور روایت میں ہے کہ

اسلام کی چکی پینتیس سال تک چلتی رہے گی پس اگر بغیر لڑائی جھگڑے کے آپس میں صلح رکھیں گے تو ستر برس تک دنیا سے فائدہ اٹھائیں گے۔

(مستدرک: فضائل امیر المومنین ذی النورین عثمان رضی اللہ عنہ جز:3، ص:108)

اور یہ بات حضرت حسن اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی صلح پر صادق آتی ہے اور ہجرت کے بعد چالیس سال تک کی مدت کو شمار کیا جائے تو یہ بات جو چالیس سال کی ابتداء میں واقعات ہوئے ان پر صادق آتی ہے اور یہاں پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کا ذکر نہ کرنے پر حکمت یہ ہے کہ وہ کسی دن اپنی خلافت جو چار سال کے عرصے کے برابر ہے اس کو ایک صف میں جمع نہ کر سکے کیونکہ اس عرصے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ بہت سے خارجی فرقوں کے ساتھ جنگ کرنے میں مصروف رہے۔

اور اس مدت میں دنیا کھانے سے مراد یہ ہے کہ

اکثر مدت جس میں علماء، مجتہدین دین کو سنواریں گے۔ اس طرح معاملات اس مدت کے بعد نہیں ہوں گے (بلکہ لوگوں کا رجحان دنیا کی طرف ہو جائے گا)

اور یہ بات گزر چکی ہے کہ

حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو قتل کرنے سے روکنے میں بہت زیادہ مبالغہ کیا اور ان کو یہ بات بیان فرمائی کہ اگر وہ لوگ ان کو شہید کر دیں گے تو ان کے معاملات ہرگز نہیں سدھریں گے جب تک کہ ان میں سے چالیس ہزار لوگ قتل نہ ہو جائیں' اور حضرت عبداللہ بن سلام نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو عراق کی طرف جانے سے منع کیا

اور فرمایا کہ

منبر رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو لازم پکڑے رکھو۔

اور یہ بات بھی بیان فرمائی کہ

اگر یہ عراق چلے گئے تو ہمیشہ کے لئے واپس لوٹ کر نہیں آئیں گے۔

اور ساتھ یہ بھی کہا کہ

جب آپ رضی اللہ عنہ ہجرت کے چالیسویں سال سے پہلے شہید ہو جائیں گے تو اس کے قریب ہی صلح ہو جائے گی چنانچہ ایسے ہی ہوا کہ خلافت سے دور بھاگنے کے باعث حضرت حسن اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہما کے درمیان صلح ہو گئی۔

(تطہیر الجنان واللسان عربی: ص:55)

ایک اور روایت کہ جس کے راوی ایک کے علاوہ تمام احادیث صحیح کے راوی ہیں اگرچہ وہ بھی مختلف فیہ ہیں مگر ذہبی نے ان کے بارے میں کہا ہے کہ یہ قوی ہیں اور مجھے ان کے بارے میں کوئی جرح معلوم نہیں ہے۔

وہ روایت اس طرح ہے کہ

حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ منبر پر چڑھے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں کلام درازی کرنے لگے۔ پھر اسی طرح مغیرہ بن شعبہ نے کیا۔

حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے عرض کی گئی کہ

آپ رضی اللہ عنہ بھی منبر پر چڑھیں اور ان دونوں کا رد کریں۔

پس آپ رضی اللہ عنہ رکے رہے اس شرط پر کہ جب تک تم لوگ اس کا وعدہ نہ کرو کہ اگر میں حق کہوں تو تم میری تصدیق کرو گے اور ناحق کہوں تو تم میری تکذیب کرو گے۔ سب لوگوں نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے اس طرح کرنے کا وعدہ فرمایا۔ پس حضرت حسن رضی اللہ عنہ منبر پر چڑھے اور اللہ تعالیٰ کی حمد کی

پھر ارشاد فرمایا:

اے عمرو بن عاص اور اے مغیرہ بن شعبہ! میں تمہیں اللہ تعالیٰ کی قسم یاد دلا کر کہتا ہوں کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چلنے اور بیٹھنے پر لعنت فرمائی ان میں سے ایک فلاں تھا۔

ان دونوں نے کہا:

کیوں نہیں (ایسا ہی ہوا)

پھر حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

میں تم دونوں کو اللہ تعالیٰ کی قسم یاد دلا کر کہتا ہوں کہ

کیا تم نہیں جانتے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرو پر لعنت فرمائی ہر اس قافیہ کے بدلے میں جو اس نے کہی۔

پھر دونوں نے کہا:

بالکل اسی طرح ہے۔

پھر حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

اے عمرو اور مغیرہ رضی اللہ عنہما! کیا تمہیں پتہ نہیں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فلاں قوم پر لعنت فرمائی۔

ان دونوں نے کہا:

ایسا ہی ہے۔

پھر حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

میں اللہ تعالیٰ کی حمد کرتا ہوں جس نے تمہیں ان میں بنایا جو کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قبیلے کے علاوہ ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو کبھی بھی برا بھلا نہیں فرمایا بلکہ آپ رضی اللہ عنہ کو غایت عظمت وجلالت کے ساتھ یاد فرمایا۔

اور ایک روایت جس کے ایک راوی کے سوا جس کی نسبت حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ میں اس کو نہیں جانتا اور باقی سب راوی ثقہ ہیں کہ

روایت یوں ہے:

حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس تشریف لے گئے۔ ادھر حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ بھی تشریف فرما تھے۔ حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ ان دونوں کے مابین بیٹھ گئے۔

اور فرمایا:

جانتے ہو اس طرح میں کیوں بیٹھا ہوں، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ جہاں پر بھی ان دونوں کو اکٹھا دیکھو تو ان دونوں میں جدائی کر دو کیونکہ یہ دونوں غدر کے سوا اور کسی کام کے لئے جمع نہیں ہوتے اس لئے میں نے ارادہ کیا کہ تم دونوں میں جدائی کر دوں۔

اس حدیث میں یہ بحث ہو چکی ہے۔

اور ایک اور روایت ہے جس کا ایک راوی بہت ہی ضعیف ہے کہ قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی جب تک کہ دو ایسے عظیم گروہ آپس میں نہ لڑیں اور ان کا دعویٰ ایک ہی ہوگا۔

ان باتوں میں سے ایک بات حضرت علی رضی اللہ عنہ کا خوارج سے جنگ کرنا بھی ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس واقعہ کے بارے میں خبر بھی دی ہے جس کے بارے میں کسی تاویل کی بھی گنجائش نہیں ہے۔

ابو یعلیٰ صحیح سند کے ساتھ حدیث مبارکہ روایت کرتے ہیں کہ

ابو وائل رضی اللہ عنہ سے ایسی قوم کا حال پوچھا گیا جس کو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے قتل کیا تھا۔

تو انہوں نے فرمایا:

جب صفین میں اہل شام بہت مقتول ہوئے اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے رفقاء نے پہاڑ پر پناہ لی۔

حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے مشورہ دیا کہ

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس قرآن مجید بھیج کر ان سے صلح کی عرض کریں کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی قسم اس عرض کو کبھی رد نہیں فرمائیں گے۔

الغرض

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ایک ایسے آدمی کو روانہ کیا جو قرآن مجید کو اٹھائے ہوئے منادی کر رہا تھا کہ ہمارے اور تمہارے درمیان میں کتاب اللہ ہے۔

''کیا تم نے نہیں دیکھا ان لوگوں کی طرف جنہیں کتاب میں سے حصہ دیا گیا''۔

آخر تک آیت کریمہ تلاوت کی۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

جی ہاں! ہمارے اور تمہارے درمیان اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے اور میں صلح کا زیادہ حق دار ہوں۔

صلح کا ذکر سن کر خوارج جنہیں ہم اس دور میں قراء کہتے تھے وہ اپنی تلواروں کو کندھے پر ڈالے ہوئے آئے۔

اور کہنے لگے۔

اے امیر المومنین رضی اللہ عنہ! آپ رضی اللہ عنہ اس قوم سے یعنی اہل شام سے ہرگز صلح کی بات نہ کریں حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ ہمارے اور ان کے مابین فیصلہ فرما دے۔

اس پر حضرت سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور ان خوارج کو انکار صلح سے روکا۔

اور دلیل یہ بیان کی کہ

حدیبیہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم صلح کی طرف مائل تھے لیکن اکثر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم صلح کی طرف مائل نہیں تھے

حالانکہ بھلائی ہی صلح میں تھی۔

جب آپ رضی اللہ عنہ نے ان خوارج کی کوئی بات نہ سنی تو یہ لوگ بھاگ گئے اس وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کے بلانے کو ایک شخص بھیجا چنانچہ دس ہزار سے زائد واپس آئے۔

اور عنقریب ایک روایت آئے گی کہ

ان کی تعداد دس ہزار سے زیادہ تھی۔

اور ایک روایت میں ہے کہ

تھوڑی تھی۔

اور ہوسکتا ہے کہ ہر ایک راوی نے اپنے علم کے مطابق روایت کیا ہو۔

لہٰذا جو لوگ ان خوارج کو واپس بلانے گئے تھے

انہوں نے یہ کہا کہ

اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے صلح کرلی تو ہم ان سے ہی لڑ پڑیں گے۔ ورنہ ان کی طرف ہو کر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے لڑیں گے یہ کہہ کر وہ جدا جدا ہو گئے۔

پس حضرت علی رضی اللہ عنہ نے خطاب کیا جس کا اشارہ اس بات کی طرف تھا کہ وہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس چلیں گے یا ان خارجیوں کی طرف لوٹیں گے کہ جنہوں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے مفتوحہ علاقوں پر قبضہ کیا ہوا ہے۔

انہوں نے کہا:

بلکہ ہم خارجیوں کی طرف لوٹیں گے۔

ایک روایت میں ہے کہ

ایک فرقہ نکلے گا جس وقت لوگوں میں اختلاف ہو چکا ہو گا اس وقت وہ گروہ اس فرقے سے جنگ کرے گا جو کہ دو مسلمانوں کے گروہ میں سے حق کے زیادہ قریب ہو گا اور اس فرقے کی علامت یہ ہے کہ

اس فرقے کا ایک شخص ایسا ہو گا کہ جس کا ہاتھ نرمی میں عورت کے پستان کی طرح ہو گا۔

پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نہر کے ساتھ خارجیوں سے جنگ کی اور جب ان کی طرف سے بہت زیادہ شدت ہوئی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے گھوڑے پیچھے ہونے لگے۔

پس حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ندا کی کہ

اگر تم میری وجہ سے جنگ کر رہے ہو تو میرے پاس کچھ نہیں کہ میں تمہیں جزاء دوں اور اگر تم اللہ عزوجل کی خاطر جنگ کر رہے ہو تو یہ تمہارا عمل بیکار نہیں جائے گا۔ پس لوگوں نے ایک ساتھ ہی حملہ کیا اور گھوڑوں کو دوڑایا کہ دیکھتے ہی دیکھتے خارجی منہ

کے بل اوندھے گرنے لگے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حکم دیا کہ

پستان نما ہاتھ والے کو تلاش کرو تو تلاش کے باوجود وہ نہ ملا۔

کسی نے کہا:

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ہمیں دھوکہ دیا ہے، ہم نے اپنے بھائیوں کو قتل کر دیا ہے پس حضرت علی رضی اللہ عنہ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے پھر تلاش کرنے کا حکم دیا تو لوگوں نے اپنی ٹانگوں کے ساتھ لاشوں کو ہٹانا شروع کیا حتیٰ کہ وہ آدمی (پستان نما ملائم ہاتھوں والا) مل گیا کہ جس کی نشانی دی گئی تھی۔ پس لوگوں نے اس کی خبر دی۔

تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

اللہ اکبر! اور بہت خوش ہوئے اور لوگوں کی طرف گئے

اور فرمایا کہ

میں اس سال جنگ نہیں کروں گا اور کوفہ کی طرف واپس چلے گئے' اور وہیں آپ رضی اللہ عنہ شہید کیے گئے اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنا دیا گیا' اور آپ رضی اللہ عنہ نے اپنے والد حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نقش قدم پر عمل کیا۔ پھر آپ رضی اللہ عنہ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف ایک خط لکھا کہ وہ بیعت کرے۔

ایک روایت میں ہے کہ

حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے بیعت کا پیغام حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف بھیجا اور یہ بات قیس بن سعد بن عبادہ قبیلہ خزرج کے سردار کی طرف لکھی۔ پس قیس کھڑے ہوئے

اور کہنے لگے کہ

اے لوگو! دو چیزوں میں سے ایک کو چن لو!

1- چند لوگوں میں داخل ہونا

2- یا امام کے علاوہ جو لوگ ہیں ان کے ساتھ مل کر جنگ کرو۔

لوگوں نے کہا:

یہ کیا ہے۔

حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ

میں نے بیعت کا حق حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو دے دیا پس لوگ واپس لوٹ آئے اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے بیعت کر لی۔

یہاں اس بات کی وضاحت مناسب ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جو حدیث روایت کی ہے کہ

"تقتلهم اقرب الطائفتين الى الحق"

کہ خارجیوں سے دو گروہ میں سے وہ گروہ جنگ کرے گا جو حق پر ہے اس سے معلوم ہوا کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا گروہ حق کے قریب تھا۔ کیونکہ ان کا فعل بھی اجتہاد پر مبنی تھا جس پر ثواب ملتا ہے نہ کہ عبث ہوتا ہے کہ جس پر عتاب ہو۔

اس روایت کے اندر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی بہت زیادہ مدح ہے اگر چہ کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ خطا پر تھے۔

جیسا کہ حدیثِ عمار رضی اللہ عنہ میں اس کی صراحت موجود ہے کہ

اے علی رضی اللہ عنہ آپ رضی اللہ عنہ سے جھگڑنے والا خطا پر ہوگا۔

اور یہ بات معلوم ہوئی کہ

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بعد حق کے زیادہ قریب ہیں کیونکہ جو دو گروہوں میں سے زیادہ حق پر ہونے والے گروہ کا خلیفہ ہو وہ بھی مدح کے لائق ہوتا ہے۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا:

"اگر دو مسلمان آپس میں لڑ پڑیں تو ان کے درمیان صلح کرادو"۔

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے آپس میں لڑنے کے باوجود دونوں گروہوں کو مومن فرمایا ہے۔ یہ آیت مبارکہ ہر اس شخص کا رد کرتی ہے کہ جو یہ گمان کرتا ہے کہ جس جس نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جنگ کی وہ کافر ہے۔

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خطبہ میں منبر پر حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی مدح بیان فرمائی کہ

عنقریب اللہ عزوجل حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے وسیلے سے مسلمانوں کے دو بڑے لشکروں میں صلح کرائے گا۔

(تطہیر الجنان واللسان عربی: ص: 57)

تو یہ ثابت ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں لشکروں کے لئے اسلام کو ثابت کیا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے دو جھگڑنے والوں کے لئے ایمان کو ثابت فرمایا ہے (اور یہ بات بھی یاد رکھی جائے کہ) ایمان اور اسلام دونوں لازم و ملزوم ہیں اس حیثیت سے کہ یہ بات ممکن نہیں کہ کوئی مسلمان ہو اور مومن نہ ہو اور کوئی مومن ہو اور مسلمان نہ ہو اور جو دل کے ساتھ ایمان لے آئے اور قدرت کے باوجود زبان سے اظہار نہ کرے وہ بالاتفاق کافر ہے۔

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے تو یہاں تک فرمایا ہے کہ

اس کے کافر ہونے پر اجماع ہے۔

لیکن حقیقت میں اس مسئلے کے اندر اختلاف ہے۔

ایک مختلط روایت میں آیا ہے کہ
حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ
خارجیوں کو کس نے قتل کیا۔
تو لوگوں نے کہا:
حضرت علی رضی اللہ عنہ نے۔
اس پر آپ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:
میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ
خارجیوں کو میری امت میں سے بہترین لوگ قتل کریں گے۔ یہ تو شریرترین لوگ ہیں۔
اور ایک روایت میں آیا ہے کہ جس کے رجال سب ثقہ ہیں کہ
حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے شداد بن ہادی سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خارجیوں کو قتل کرنے کے بارے میں پوچھا کیونکہ اہل عراق نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے سامنے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں ایسی باتوں کا ذکر کیا کہ جن باتوں میں انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ پر جھوٹ بولا تھا۔
حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:
میں پسند کرتی ہوں کہ وہ معاملے کو دیکھیں اور بتائیں کہ معاملہ عراقیوں کے مطابق ہے؟ اس وجہ سے جب شداد کوئی بات بیان کرتے تو پھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ان سے قسم لیتی تھیں پس وہ قسم اٹھاتے۔
اب حاصل کلام یہ ہے کہ
جب حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے مابین صلح کی بات ہوئی اور ثالث نے فیصلہ کر دیا تو آٹھ ہزار خوارج حضرت علی رضی اللہ عنہ سے باغی ہو گئے اور کوفہ کے ایک مقام میں جس کو حروراء کہتے تھے آ کر قیام فرمایا۔
ان کا کہنا تھا کہ
حضرت علی رضی اللہ عنہ نے وہ قمیض (خلافت) جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو ملی تھی اتار دیا اور جو نام کہ اللہ تعالیٰ نے ان کا رکھا تھا اس سے خارج ہو گئے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے دین میں انہوں نے ثالث قائم کیا۔ حالانکہ فیصلہ اللہ تعالیٰ کا ہی فیصلہ ہے
جب آپ رضی اللہ عنہ کو اس کی اطلاع ملی تو آپ رضی اللہ عنہ نے مصحف کو منگوایا اور اسے اپنے سامنے رکھ دیا۔
اور فرمانے لگے کہ
اے مصحف! لوگوں کو بتاؤ کہ خارجیوں سے جنگ کرنا کیا زیادتی ہے دراصل حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ کام ان کی اس بات کو رد کرنے کے لئے کیا کہ ہمارے اور ان کے درمیان تو اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے تا کہ وہ سمجھ جائیں کہ اللہ تعالیٰ کی کتاب گفتگو

نہیں کرتی جاتا پھر بھی علماء کی طرف پڑتا ہے جبھی تو وہاں موجود لوگوں نے کہا کہ

اے امیر المومنین رضی اللہ عنہ! اس سے تم کیا پوچھتے ہو یہ تو سیاہی اور ورق ہیں ہم وہ بات کہتے ہیں جو اس کے اندر دیکھتے ہیں۔

(یعنی قرآن مجید نہیں بولتا)

تو اس پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

تمہارے وہ لوگ کیوں نہیں سمجھتے جنہوں نے خروج کیا ہے اور جو میں نے صلح کرنے کے لئے حکم مقرر کئے ہیں اس پر اعتراض کیوں کرتے ہیں حالانکہ وہ میرے موالی اور مددگار بنے ہوئے ہیں۔ میرے اور ان کے درمیان اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے۔

اور اللہ عزوجل نے ارشاد فرمایا:

جب مرد اور عورت آپس میں اختلاف کا خوف کریں تو تم ایک حکم مرد کے گھر والوں میں سے اور ایک حکم عورت کے گھر والوں میں سے بنالو اگر وہ دونوں اصلاح کا ارادہ رکھتے ہوں تو اللہ عزوجل دونوں کو اصلاح کی توفیق عطا فرمادے گا۔

(حضرت علی رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو مخاطب کر کے فرمایا)

امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت اور حرمت یہ ہے کہ

یہ ایک مرد اور ایک عورت سے زیادہ اہم ہے اور تمہیں یہ بات بری لگتی ہے کہ میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف صلح کا پیغام لکھوں۔ پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان تمام لوگوں کا رد کیا۔

اور فرمایا کہ

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اور اہل مکہ کے درمیان صلح کا حکم فرمایا تو اس وقت اللہ عزوجل نے ارشاد فرمایا:

تمہارے لئے اللہ عزوجل کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی میں بہت زیادہ بہتری ہے تو جو بھی اللہ عزوجل اور آخرت پر یقین رکھتا ہو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرے۔

پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان لوگوں کی طرف حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو بھیجا۔

شداد بھی کہتے ہیں کہ

میں بھی ان کے ساتھ تھا جب ہم ان کے لشکر کے درمیان میں گئے تو فلاں آدمی کھڑا ہوا اور اس نے لوگوں سے خطاب کیا۔

اور کہا کہ

اے قرآن اٹھانے والو! یہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما ہیں۔

اس کے بعد اس نے تمام لوگوں کو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی اتباع کرنے سے ڈرایا۔

بہر حال حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے سب لوگوں کو سمجھایا اور ان لوگوں میں تین دن رکے رہے۔ آپ رضی اللہ عنہ کی نصیحتوں کے سبب سے چار ہزار لوگ خارجیوں سے الگ ہو گئے اور سب کے سب حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس کوفہ میں آ گئے جو باقی رہ گئے تھے ان کی طرف حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ پیغام بھیجا کہ ہم نے اور لوگوں نے تمہیں سمجھایا ہے لیکن تم نہیں مانے بس اب اتنا ہے کہ تم اپنی ہی جگہ پر رہنا اور بے گناہ خون نہ بہانا اور راستے میں ڈاکہ نہ ڈالنا، ذمیوں پر ظلم نہ کرنا اگر تم نے ایسا کیا تو ہم تم سے بھی برابر جنگ کریں گے بے شک اللہ تعالیٰ خیانت کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان سے جنگ نہ فرمائی حتیٰ کہ جب ان لوگوں نے یہ سب برے کام کرنے شروع کر دیئے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان سے جنگ کی۔

پھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس آدمی کے بارے میں شداد سے پوچھا کہ جس کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی تھی کہ وہ بھی ان خارجیوں میں سے ہوگا اور ان کا نام ذوثدیہ ہوگا۔

تو شداد نے کہا:

میں نے اسے بھی دیکھا اور میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ اس کی لاش کے قریب کھڑا ہوا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو بلایا۔

اور فرمایا:

تم اس شخص کو جانتے ہو؟

تو بہت سے لوگوں نے کہا:

جی ہاں ہم نے اسے فلاں مسجد میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تھا۔

پھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا کہ

جب حضرت علی رضی اللہ عنہ اس لاش کے قریب کھڑے تھے تو کیا فرمایا تھا۔

تو شداد نے کہا:

میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو صرف یہ کہتے ہوئے سنا کہ

اللہ عزوجل اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے سچ فرمایا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا

اس کے علاوہ بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کوئی بات کی۔

اس نے کہا:

نہیں کی۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

جی ہاں! اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے سچ فرمایا۔

جھوٹ بولنے والے عراقی جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں بڑھا چڑھا کر باتیں کر رہے تھے وہ چلے گئے۔

(تطہیر الجنان واللسان عربی، ص:59)

اور یہ بات صحیح ہے کہ

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے سوال کیا جس وقت وہ بصرہ میں حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ اور ان کے رفقاء کے ساتھ جنگ کرنے کے لئے آئے۔

کہا:

وہ یہ جنگ وصیت کے سبب کر رہے ہیں یا اس کی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں خبر دی تھی؟ یا وہ اپنی رائے سے سب کچھ کر رہے ہیں۔

تو انہوں نے یہ بات بیان فرمائی کہ

یہ ان کی رائے سے ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی وصیت نہ فرمائی تھی۔

مراد یہ ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کام کے لئے ان کو خلیفہ بنایا نہ کہ کسی اور کو۔

اور جس حدیث مبارکہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ بات بیان فرمائی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے عہد توڑنے والوں، ناخن تراشے کی طرح دین سے الگ ہونے والوں کے ساتھ جنگ کرنے کا حکم فرمایا وہ حدیث مبارکہ مذکورہ بالا حدیث اور وضاحت کے خلاف نہیں ہے باوجود اس کے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اچانک اس دنیا سے تشریف نہیں لے گئے کئی دنوں تک اپنے گھر میں رہے اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو آگے بڑھنے (یعنی نماز پڑھانے) کا حکم دیا یہ سب کچھ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے مرتبے کے اظہار کے لئے کیا اور یہ کہ مسلمانوں نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے بیعت کی اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے ان سے بیعت لی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی ان سے بیعت کی اور جب حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نزع کی حالت میں تھے اگر چاہتے تو اپنے بیٹے کو خلیفہ بناتے مگر انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف اشارہ کیا اور انہوں نے (یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ) لوگوں کو بیعت کیا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ

میں بھی ان کے ساتھ بیعت ہو گیا اور جب مجھے کوئی چیز دیتے تو میں لے لیتا اور مجھے جنگ کا کہتے تو جنگ کی طرف چلا

جاتا اور حدود قائم کرنے کے لئے میں مقرر تھا۔ جب موت کا وقت آیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کسی ایک آدمی کو مقرر کرنے کی بجائے معاملہ چھ اشخاص کے سپرد کر دیا ان میں سے ایک میں بھی تھا پس ہم نے خلافت کا فیصلہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے حق میں کر دیا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی بیعت کر لی اور میں نے خلافت تسلیم کر لی جب مجھے جنگ کے لئے بھیجتے تو میں چلا جاتا تو جب مجھے کچھ دیتے تو میں لے لیتا۔ میں ان کے ساتھ حدود قائم کرنے کے لئے مقرر تھا۔ پھر جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اس دار فانی سے کوچ کر گئے تو خلافت کی طرف وہ آدمی بڑھا جو کہ میرے مثل نہ تھا نہ ہی اس کی قرابت میری قرابت کی طرح تھی اور نہ ہی اس کا علم میرے علم کی طرح تھا اور نہ ہی وہ میری طرح ایمان لانے میں سابق تھا تو میں خلافت کا اس کی بدولت زیادہ حق دار تھا۔ پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ سے حضرت زبیر اور حضرت طلحہ رضی اللہ عنہما کی مخالفت کے بارے میں سوال کیا گیا۔

تو ارشاد فرمایا:

ان دونوں نے مجھ سے مدینہ منورہ میں بیعت کر لی تھی پھر ان دونوں نے میری مخالفت کی اگر کوئی آدمی حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کی بیعت کرتا اور پھر ان دونوں کے مخالف ہو جاتا تو ہم اس سے لڑائی کرتے تھے۔

اور یہ بات صحیح ہے کہ

جب خارجی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جدا ہوئے تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان سے جنگ کرنے کا ارادہ کیا اس وقت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اجازت طلب کی کہ وہ خارجیوں کی طرف جا کر یہ معلومات کرے گا کہ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے کیوں مخالف ہوئے ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اجازت دے دی پس حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما خارجیوں کی طرف گئے اور ان سے مناظرہ کیا۔

جس کے سبب بیس (20) ہزار لوگ واپس پلٹ آئے اب چالیس (40) ہزار خارجی بچ گئے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان سے جنگ کی دس ہزار سے کم خارجی بچ نکلے۔

جن باتوں کی وجہ سے خارجی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مخالف بنے تھے وہ یہ ہیں۔

1- پہلی تو یہ ہے کہ

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے غیر اللہ کو حکم بنایا باوجود اس کے کہ

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا!

الحکم للّٰہ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ان کا رد اس مثال کے ساتھ کیا جس کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کا جواب دیا تھا جو کہ اوپر گزر چکا ہے۔

(مرد اور عورت کے درمیان ایک صالح مرد مقرر کرنے کا)

اور وہ یہ ہے کہ

تحکیم کا تذکرہ تو احرام کے شکار کے بارے میں بھی اور مرد وعورت کے درمیان صلح کرنے میں بھی حکم بنانے کا ذکر ہے تو دنیا کے معاملے میں حکم بنانا تو اس سے بھی زیادہ اہم ہے لوگوں نے آپ رضی اللہ عنہ کے اس جواب کو تسلیم کیا۔

2-دوسرا یہ کہ

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور ان کے علاوہ سے جنگ کی لیکن ان کو برا بھلا نہ کہا اور نہ ہی ان سے غنیمت حاصل کی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے جواب دیا کہ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا تو ان کی ماں ہیں یہ بات نص سے ثابت ہے اگر تم اس کا انکار کرو گے تو کافر ہو جاؤ گے اگر تم ان سے جنگ کرنے کو یا گالی دینے کو حلال جانو گے تو کافر ہو جاؤ گے انہوں نے اس بات کو تسلیم کر لیا۔

3-تیسری بات یہ ہے کہ

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے صلح کی طرف مومنین کے امیر بننے سے انکار کیا۔

تو اس کا جواب حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یہ دیا کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صلح حدیبیہ میں مشرکین کی موافقت کی اس بات میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ بات مٹوادی جو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے خط میں لکھی تھی اور وہ عبارت تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس کو مٹانے کا حکم دیا۔

اور ارشاد فرمایا کہ

میں اللہ عزوجل کا رسول ہوں اگر چہ کہ تم مجھے جھٹلاتے ہو اور میرا رسول والا منصب اگر چہ تم عبارت سے مٹادو پھر بھی یہ میری رسالت کی نفی نہیں کرتا۔ پس لوگوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے اس جواب کو بھی مان لیا مگر یہ چار 4 ہزار لوگ ہیں انہوں نے انکار کیا (اور خارجی کہلائے) حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان سے جنگ کرنے کا ارادہ کیا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ساتھ دینے والے بعض لوگوں نے توقف کیا کیونکہ خارجیوں کی عبادت بہت زیادہ تھی جیسے کہ قرآن مجید کی تلاوت کرنا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے رفقاء سے فرمایا کہ

ان کو یہ عبادت نجات نہیں دے گی۔

اس کی وضاحت پہلے گزر چکی ہے۔

اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ بھی فرمایا:

جس وقت جنگ کا ارادہ کیا کہ

خارجی لوگ ان لوگوں کی مدد نہیں کریں گے جو لوگ ان کو ان کے رب کی کتاب اور ان کے نبی کی سنت کی طرف بلائے

بلکہ وہ اس سے لڑائی کرنے کے لئے آمادہ ہو جائیں گے پھر جب لوگوں نے اس بات کو جان لیا تو پھر بھی کوئی ان سے جنگ کرنے کے لئے نہ نکلا سوائے ایک نوجوان کے۔ پھر آپ رضی اللہ عنہ نے وہی کلمات دہرائے پھر بھی وہ صرف ایک ہی نوجوان آیا پس آپ رضی اللہ عنہ نے اس کو مصحف عطا کیا وہ مصحف کو لے کر ان کی طرف گیا تو خارجیوں نے اسے شہید کر دیا جب انہوں نے اس طرح کیا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان سے جنگ کی اور پھر جب جنگ سے فارغ ہوئے۔

تو فرمایا کہ

اس آدمی کو تلاش کرو جس کی خبر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دی تھی لوگوں نے اس کو تلاش کرنا شروع کیا اور انہوں نے اسے ایسی جگہ پایا جہاں پر گندہ پانی جمع ہوتا ہے اور اس کے ہاتھ کی پشت والی جگہ پر عورت کے پستان کی طرح ابھری ہوئی جگہ تھی جس پر بال اگے ہوئے تھے۔ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس کی طرف دیکھا۔

تو ارشاد فرمایا:

اللہ عزوجل اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے سچ فرمایا۔

راوی کہتے ہیں کہ

حضرت حسن یا حضرت حسین رضی اللہ عنہما میں سے کسی ایک کو اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء کرتے ہوئے سنا گیا کہ اس ذات باری تعالیٰ کا شکر ہے کہ جس نے اس امت کو اس گمراہ فرقے سے نجات عطا فرمائی۔

اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا:

اگر یہ باقی رہے تو ہر تیسرا آدمی ان کے عقیدے کے مطابق ہوتا کیونکہ یہ لوگوں کی پشتوں اور عورتوں کے رحموں (پیٹ) میں چھپے رہیں گے۔

(تطہیر الجنان واللسان عربی: ص:59)

احمد وغیرہ نے روایت فرمایا ہے کہ

خارجی جہنم کے کتے ہیں۔

عرض کی گئی:

سارے کے سارے یا بعض۔

تو انہوں نے فرمایا:

سارے کے سارے۔ ان کے گناہوں میں سے سب سے بڑا گناہ یہ ہے کہ انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بغض کرنے کی انتہاء کر دی۔

(معجم الکبیر: صدی بن العجلان ابو امامۃ الباہلی نزل: جز:8، ص:270)

اور انہیں سے روایت ہے اور رجال بھی سارے کے سارے ثقہ ہیں
وہ روایت ہے کہ
حضرت علی رضی اللہ عنہ نے منبر پر فرمایا:
دو آدمی ہلاکت میں پڑے
ایک تو یہ کہ
جو محبت میں حد سے بڑھ گیا
اور ایک وہ کہ
جس نے مجھ سے بغض رکھا۔
پھر ارشاد فرمایا کہ
مجھ سے اللہ عزوجل کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

تیری مثال عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کی طرح ہے کہ یہوذیوں نے تو ان سے بغض کیا اور یہاں تک کہ ان کی والدہ پر بھی بہتان باندھا اور نصرانیوں نے آپ سے محبت کی اور آپ کی وہ منزلت سمجھ لی جو آپ کی شان نہیں تھی۔

پھر ارشاد فرمایا کہ
دو قسم کے آدمی ہلاک ہوئے ایک محب مفرط یعنی اتنی زیادہ افراط کے ساتھ آپ سے محبت کرنا کہ جو نامناسب ہے۔
اور بہتان باندھنے والا مبغض بھی ہلاک ہوا۔
پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

خبردار! میں کوئی نبی نہیں ہوں اور نہ ہی میری طرف کوئی وحی کی جاتی ہے لیکن میں اللہ عزوجل کی کتاب پر عمل کرتا ہوں اور جتنی استطاعت ہوسکتی ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اپناتا ہوں جتنا ہوسکتا ہے جو حکم میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا تمہیں دوں تو تم پر حق یہ ہے کہ تم اس میں میری اطاعت کرو اگرچہ کہ وہ تمہیں پسند ہو یا ناپسند۔

ان امور میں سے ان فتنوں کا ظہور ہے جن کا تذکرہ پہلے ہی کر دیا تھا اور محتاجگی ہے ان امور کو جاننے کے لئے کہ جن سے مشہور کتابیں خالی ہیں۔

ان فتنوں میں سے ایک فتنہ کے بارے میں روایت صحیح رجال کے ساتھ مروی ہے کہ

جب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے یزید کو خلیفہ بنانے کا ارادہ کیا تو انہوں نے مدینہ منورہ کے عامل کی طرف ایک خط لکھا کہ میری طرف ایک وفد کے ساتھ کسی کو بھیجو۔ لہٰذا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف وفد مدینہ منورہ کے عامل نے عمرو بن حزم انصاری کو بھیجا پس انہوں نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے اجازت طلب کی لیکن حضرت

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے انہیں اجازت نہیں دی اور اپنے حاجب کو حکم دیا کہ وہ ان سے کہے کہ مانگو جو مانگنا ہے تو انہوں نے لوگوں کے اجتماع کے بغیر کوئی بات کرنے سے انکار کر دیا پس کچھ دنوں کے بعد لوگوں کو جمع کیا گیا۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان سے پوچھا کہ

اب بتائیں یہ حاجت ہے!

اس پر حضرت عمرو بن حزم انصاری رضی اللہ عنہ نے اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء کی

پھر فرمایا کہ

ابن معاویہ بادشاہت کے لائق نہیں ہے اور ہر بھلائی سے دور ہے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ

بے شک جس کو بھی اللہ تعالیٰ حکومت کا والی بناتا ہے تو اس سے اس کی رعیت کے بارے میں سوال فرمائے گا۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

اے آدمی! تجھے کیا ہوا کہ تو مجھے نصیحت کرتا ہے۔

حضرت عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

آپ رضی اللہ عنہ نے ہی تو فرمایا تھا۔

اس کے بعد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ

(دراصل) بات یہ ہے کہ تیرے بیٹے اوران کے بیٹے باقی رہ گئے ہیں اور میرا بیٹا ان کے بیٹوں سے زیادہ حق دار ہے۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے پھر حضرت عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ

آپ رضی اللہ عنہ کو کسی چیز کی ضرورت ہو تو بتائیں؟

حضرت عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

میں نے ان کو کہا کہ

مجھے آپ رضی اللہ عنہ سے حاجت نہیں ہے۔

(سبل الہدیٰ والرشاد: باب الثالث فی قسمۃ صلی اللہ علیہ وسلم: ج:9،ص:129)

ایک اور روایت میں ہے کہ جس میں ایک آدمی کو ابوزرعہ نے ضعیف کہا اور اسی آدمی کو ابن حبان وغیرہ نے قابل اعتماد کہا اور حافظ الہیثمی نے کہا میں نہیں جانتا۔

وہ روایت یہ ہے کہ

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے موت کے وقت یزید کو کہا:

تحقیق میں نے تیرے لیے سارے شہر آسان کر دیئے ہیں اور لوگوں کو تیرے تحت کر دیا ہے۔ مجھے تیرے بارے میں خوف نہیں ہے سوائے حجاز والوں کے اگر تو ان کی طرف سے کوئی شک پائے۔ تو ان کی طرف مسلم بن عقبہ کو بھیج دینا میں نے اس کو تجربہ کار پایا۔ جب یزید کو پتہ چلا کہ ابن زبیر اس کی مخالفت کر رہا ہے تو اس نے مسلم کو کہا جبکہ مسلم پر فالج نے اٹیک کیا ہوا تھا اس کو اپنے والد صاحب کی بات بتائی اور لشکر تیار کر کے اس کے سپرد کر دیا۔ جب مسلم بن عقبہ مدینہ منورہ پہنچا تو اس نے تین دن تک مدینہ شریف کی حرمت پامال کی پھر اس نے لوگوں کو یزید کی بیعت کے لئے بلایا اور کہا:

اے لوگو! تم یزید کی ہر حال میں اطاعت کرو گے اگر چہ کہ وہ خدا کی اطاعت کا حکم دے یا اس کی نافرمانی کا سب لوگوں نے اس کے ڈر کی وجہ سے اس بات کو قبول کیا۔ ایک آدمی نے انکار کیا تو اس کو مسلم نے قتل کر دیا اس کی ماں نے اللہ عزوجل کی قسم اٹھائی

اور کہا کہ

اگر ممکن ہوا تو میں مسلم کو زندہ یا مردہ ہونے کی حالت میں ضرور آگ میں جلاؤں گی۔ جب مسلم مدینہ سے نکلا تو اس عورت کے گھر کے قریب جا کر مرا۔ عورت اس کی قبر پر اپنے غلاموں کو لے کر آئی اور اس عورت نے ان کو حکم دیا کہ وہ اس کی قبر کو سر کی طرف سے کھودیں جب غلام کھودتے ہوئے اس کے سر تک پہنچے تو کیا دیکھتے ہیں کہ ایک سانپ ہے کہ جو اس کی گردن کو لپٹا ہوا ہے اور ساتھ ہی اس کے ناک کو اپنے منہ میں لے کر چبا رہا ہے۔ سب غلام ڈر گئے اور سارا ماجرا اس کو بتا دیا۔

اور بولے کہ

اللہ تعالیٰ نے تیری طرف سے اس کے شر کا بدلہ لے لیا ہے لیکن عورت نے انکار کیا اور کہنے لگی کہ

اس کے پاؤں کی طرف سے اس کی قبر کو کھودو انہوں نے ایسا ہی کیا پھر وہی سانپ اس کے پاؤں کے ساتھ لپٹا ہوا پایا اس کی ماں نے دو رکعت نماز ادا کی اور اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی:

یا اللہ عزوجل! اگر میں مسلم پر تیری خاطر غصہ کرنے میں سچی ہوں تو یا اللہ عزوجل میرے اور اس کے درمیان فیصلہ فرما دے۔

پھر وہ عورت واپس پلٹی اور سانپ کی دم پر ضرب لگائی (دیکھتے ہی دیکھتے) سانپ مسلم کے سر کی طرف کھسک گیا۔

مسلم بن عقبہ کو قبر سے باہر نکالا گیا تو اس عورت نے اس کو آگ کے ساتھ جلا دیا۔

اور ایک متروک روایت میں ہے۔

اس زمانے میں اس فاسق لشکر کے کچھ گندے لوگ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کے پاس حاضر ہوئے پس انہوں نے گھر کا سارا سامان لے لیا۔ پھر اس کے بعد اس گندے لشکر کے کچھ دوسرے لوگ اندر داخل ہوئے جب گھر کے اندر کچھ نہ ملا تو انہوں نے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کو کروٹ کے بل لٹایا اور پھر بے ادبی کرتے ہوئے آپ کی داڑھی مبارک کھینچتے

رہے۔

ایک روایت جس کو ایک جماعت نے روایت کیا ہے جس کے بارے میں حافظ مذکور فرماتے ہیں کہ میں ان کو نہیں جانتا۔

(بہر حال) اس زبیر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو خط لکھا کہ وہ ابن زبیر سے بیعت ہو جائیں۔لیکن حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس سے انکار کیا (اس پر یزید کو موقع مل گیا)

اس (یزید) نے گمان کرتے ہوئے کہا کہ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ابن زبیر سے بیعت اس لئے نہیں کی کہ وہ میری بیعت ہونے کا ارادہ رکھتے ہیں۔

اسی وجہ سے اس نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی طرف ایک خط لکھا جس کے اندر اس نے اس بات کا تذکرہ کیا کہ وہ ابن زبیر کو دھوکہ دیں اور لوگوں کو ابن زبیر سے متنفر کریں۔اگر انہوں نے یہ کام سرانجام دیا تو وہ انعام یزید کے مستحق ہو جائیں گے۔

اس پر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یزید کو جواباً برا بھلا کہنے میں بہت طول دیا' اور اس میں اس بات کی وضاحت کی کہ ابن زبیر سے بیعت کرنے سے میرے رکنے کی وجہ یہ ہرگز نہ تھی کہ مجھے یزید انعام دے گا اور نہ ہی میں یزید کو اس کا حق دار سمجھتا ہوں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ

میں کسی ایک کو بھی یزید کی بیعت ہونے کی اجازت نہیں دوں گا اور نہ ہی کسی کو حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہما سے متنفر کروں گا۔

پھر حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے یزید کے والد کے بارے میں طویل کلام کیا کیونکہ اس نے زیاد کو ساتھ ملایا تھا۔

اور یزید کے بارے میں بھی اس بارے میں کلام کیا کہ

یزید نے اہلِ بیت کی حرمت کو حلال جان لیا حتیٰ کہ اس نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور اکثر اہل بیت کو شہید کر دیا۔یزید نے مدینہ منورہ کی حرمت کو بھی پامال کیا اور اس میں رہنے والوں کے قتل کو جائز قرار دے دیا اور بڑے بڑے اکابرین کو شہید کروا دیا۔

(تطہیر الجنان واللسان عربی:ص:61)

ایک روایت جمل کے رواۃ پر ابن حبان کو اعتماد ہے اور ابوزرعہ کو کلام ہے

وہ روایت یہ ہے کہ

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے جب وفات پائی تو اس وقت ابن زبیر نے یزید کو گالی دی پھر آپ رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو

اپنی طرف بلایا پس یزید نے مسلم بن عقبہ کو مدینہ منورہ کی طرف بھیج دیا اور اس کو حکم دیا کہ وہ پہلے اہل مدینہ سے جنگ کرے پھر اس کے بعد اہل مکہ مکرمہ سے جنگ کرے چنانچہ تمام لشکر والے مدینہ منورہ پہنچے اور کئی دن مدینہ منورہ کی حرمت کو پامال کرتے رہے پھر تمام لشکر مکہ مکرمہ کی طرف چلے۔ جب مسلم بن عقبہ نے موت کے جھٹکے محسوس کیے تو اس نے حصین الکندی کو خلیفہ مقرر کیا۔

اور اس کو کہا کہ

اے ابن زرعہ! قریش کے دھوکوں سے بچ کر رہنا۔ ان کے ساتھ ہمیشہ منافقت کا رویہ اپنانا۔ جب یہ لشکر مکہ مکرمہ کو پہنچ گیا تو اس کا مقابلہ ابن زبیر رضی اللہ عنہما سے ہوا۔ حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہما نے مسجد کے اندر ایک خیمہ نصب کیا ہوا تھا جس کے اندر عورتیں زخمیوں کو دوائی دینے اور ان کے مصالحات میں مصروف تھیں۔

حصین نے کہا:

اس خیمے سے ہمیشہ ہی ہمارے مقابلے میں شیر نکلتے رہیں گے جس طرح کہ شیر اپنے گھونسلے سے باہر نکلتا ہے اب کون ہے جو مجھے ان کے خوف سے مطمئن کرے گا۔ اتنے میں اہل شام میں سے ایک شخص کھڑا ہوا

اور کہنے لگا کہ

میں۔

جیسے ہی رات چھائی۔ شامی نے ایک موم بتی جلائی اور اپنے نیزے کے ایک کنارے میں اسے رکھا پھر اس کے ساتھ خیمہ کو جلانا شروع کیا حتیٰ کہ پورا خیمہ جلا دیا اور کعبہ معظمہ میں آگ لگا دی اور یہاں تک کہ حضرت اسحاق علیہ السلام کے مینڈھے کے دو سینگ بھی جلا دیئے۔

(حضرت اسحاق علیہ السلام کے مینڈھے کے سینگ نہیں تھے بلکہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے مینڈھے کے سینگ تھے)

حضرت اسحاق علیہ السلام کے بارے میں اکثر لوگوں کی رائے ہے کہ

وہ ذبیح اللہ تھے۔

مگر صحیح بات یہ ہے کہ

ذبیح اللہ حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں (کیونکہ اس پر نص موجود ہے) بہر حال جب لوگوں کو پتہ چلا کہ یزید مر گیا ہے تو سب لوگ وہاں سے بھاگ نکلے۔ اس کے بعد مروان نے لوگوں کو اپنی طرف بلایا۔ اس پر اہل حمص، اہل اردن نے اس کی متابعت کو قبول کیا۔ حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہما نے ایک لاکھ کا لشکر جمع کیا جبکہ مروان کی حالت یہ تھی کہ اس کے پاس بنی امیہ اور ان کے غلاموں کے علاوہ لوگ نہ تھے جب ان کا خوف بڑھا

تو مروان نے اپنے غلام کو کہا کہ

ان لوگوں کو مکر کے ذریعہ روکا جا سکتا ہے۔

بہر حال مروان جنگ کے لئے نہ رک سکا اور یوں مروان جو کہ ان کا امیر تھا اس کو قتل کر دیا گیا۔ اس کے بعد اس کا بیٹا سامنے آیا اور اس نے لوگوں کو اپنی بیعت کے لئے بلایا اہل شام نے اس کی بیعت قبول کی۔ اس نے لوگوں کو خطبہ دیا پھر کہا

تم میں ابن زبیر رضی اللہ عنہما کے ساتھ کون جنگ کرنے کا حوصلہ رکھتا ہے۔

حجاج نے کہا کہ

اے امیر المومنین! یہ کام میں سرانجام دوں گا کہ میں اس کا جبہ اتار دوں گا اور پھر اس کو میں خود پہن لوں گا۔ پس اس نے پکا وعدہ کیا اور مکہ مکرمہ کی طرف لشکر کے ساتھ روانہ ہو گیا اور ابن زبیر سے جنگ کی۔ حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہما نے اہل مکہ کو ہدایت کی کہ وہ ان دو پہاڑوں کی حفاظت کریں جب تک تم ان دو پہاڑوں کی حفاظت کرنے میں کامیاب رہو گے تب تک تمہیں کوئی آنچ بھی نہیں پہنچا سکے گا۔

بہر حال اہل مکہ اس کام میں عاجز آئے اور ان پہاڑوں کی حفاظت کے لئے نہ ٹھہر سکے۔ تو حجاج اور اس کے لشکری ابوقبیس پہاڑ پر چڑھ گئے اور انہوں نے اس پر منجنیق (پتھر برساؤ کی مشین) کو نصب کیا اور اس کے ساتھ مسجد میں موجود ابن زبیر رضی اللہ عنہما پر پتھر برسائے۔ جس دن حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہما کو قتل کیا گیا اسی دن وہ اپنی والدہ کے پاس آئے اور ان کی والدہ حضرت اسماء بنت ابوبکر رضی اللہ عنہما ہیں اس دن ان کی عمر سو سال تھی لیکن اس وقت ان کا ایک دانت بھی نہیں گرا تھا اور نہ ہی ان کی نظر خراب ہوئی تھی۔

حضرت اسماء بنت ابوبکر رضی اللہ عنہما نے قوم کے متعلق پوچھا۔

تو حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہما نے اس کی حالت کے متعلق بتایا

اور کہنے لگے کہ

میں موت میں راحت محسوس کرتا ہوں۔

لیکن اس پر ان کی والدہ محترمہ نے کہا کہ

اے بیٹے! مجھے زیادہ پسند یہ بات ہے کہ تجھے فتح یابی سے پہلے پہلے موت نہ آئے حتیٰ کہ میں تجھے فتح یاب ہو کر اپنی آنکھوں کو ٹھنڈا کروں۔ یا اسے قتل کر دیا جائے تاکہ میں عنداللہ ثواب کی امید کر سکوں پھر اس کی ماں نے اس کو وصیت کی کہ وہ قتل کے ڈر سے بزدلی اختیار نہ کریں۔ پس وہ وہاں سے نکلے اور مسجد میں داخل ہوئے۔

ان کو کہا گیا کہ

آپ رضی اللہ عنہ کے لئے کعبہ معظمہ کا دروازہ کھولتے ہیں تو انہوں نے انکار کیا پھر اس کے بعد بہت سارے گروہ مسجد

کے دروازوں سے داخل ہوئے اور پیچھا کرتے رہے پس وہ ان میں سے ہر ایک کی طرف گئے اور ان کو نکال دیا پھر سب نے آپ رضی اللہ عنہ پر یکبارگی حملہ کیا اور آپ رضی اللہ عنہ کے سر مبارک کو نشانہ بنایا اور آپ رضی اللہ عنہ کا سر مبارک جدا کر دیا۔

اور اس کا صحیح ماحاصل یہ ہے کہ

آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

حضرت کعب رضی اللہ عنہ جس طرح فرماتے ہیں ویسے ہی ہوتا ہے لیکن آپ رضی اللہ عنہ نے یہ جو فرمایا تھا کہ ایک ثقفی جوان مجھے قتل کرے گا وہ جو سر نظر آرہا ہے مختار کا ہے پھر حجاج نے اس کو قتل کر دیا اور ویسے ہی ہوا جیسے کعب رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا۔

ایک روایت جس کی سند میں ایک ایسا آدمی بھی ہے جس کے بارے میں حافظ الہیثمی فرماتے ہیں کہ میں اس کے بارے میں نہیں جانتا۔

روایت یوں ہے کہ

اس کے قتل کا سبب اس کا ان فرقوں میں سے ایک فرقے کو نکالنے کی کوشش کرنا ہے کہ اس کوشش کے دوران مسجد کے کنگروں میں سے ایک کنگرا اس کے سر پر پڑا اس وقت لشکریوں نے اس پر قبضہ کر لیا۔

(تطہیر الجنان واللسان عربی:ص:62)

یہ بات بھی صحیح سند کے ساتھ مروی ہے کہ

حجاج نے ابن زبیر رضی اللہ عنہما کو سولی پر چڑھایا تاکہ قریش یہ سب معاملہ اپنی آنکھوں سے دیکھتے رہیں پس قریشی ان کے پاس سے گزرتے تھے مگر ٹھہرتے نہیں تھے جب حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما وہاں سے گزرے تو آپ رضی اللہ عنہ نے وہاں توقف کیا اور سلام کیا اور یاددہانی کرائی کہ وہ ان کو اس کام سے روکتے تھے کیونکہ اس کام کا انجام یہی ہونا تھا جو فی الحال اس وقت پیش آرہا ہے۔

پھر حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرمانے لگے کہ

ابن زبیر رضی اللہ عنہما بہت روزہ رکھنے والے، رات کو جاگ جاگ کر عبادت کرنے والے اور اپنے رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی فرمانے والے تھے۔ جب اس بات کا حجاج کو پتہ چلا تو اس نے حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہما کو سولی سے اتارنے کا کہا اور یہ حکم دیا کہ

یہودیوں کی قبروں میں پھینک دیا جائے۔

یہودیوں سے اس کی مراد مطلقاً مشرکین تھے۔ یا حرم جہاں سے یہودی گزرتے تھے پس ان میں سے بعض یہودی مرے جن کو وہاں دفن کر دیا گیا تھا پھر اس نے اس کی ماں کو یہ پیغام بھیجا جبکہ وہ نابینا ہو چکی تھیں کہ وہ حجاج کے پاس آئے اس کی ماں

نے آنے سے انکار کر دیا سختی کرتے ہوئے پھر حجاج نے پیغام بھیجا اس نے پھر آنے سے انکار کر دیا۔

حجاج آگ بگولا ہو کر اس کی طرف اٹھا اور کہا:

تیرے بیٹے کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے کیا کیا۔

اس نے کہا:

میں تجھے دنیا کے اندر فساد والا سمجھتی ہوں اور تیری آخرت بھی برباد ہو چکی ہے پھر اسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث سنائی کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ

قبیلہ ثقیف میں ایک آدمی ہوگا جو تباہی و ہلاکت پھیلائے گا اور ایک کذاب ہوگا اور وہ کذاب مختار نام ہے اور تباہی مچانے والا تو ہی ہے اس پر وہ باہر نکل گیا۔

ایک روایت میں ہے کہ

اس عورت نے اسے تین دن بعد کہا کہ

یہ راکب کیوں نہیں اترتا (سولی سے)

حجاج نے کہا کہ

یہ منافق ہے۔

اس عورت نے کہا:

نہیں اللہ تعالیٰ کی قسم! یہ منافق نہیں تھا بلکہ بہت زیادہ روزے رکھنے والا اور نمازیں پڑھنے والا تھا۔

اس پر حجاج نے کہا کہ

اے بوڑھی چپ ہو جا تو بوڑھی ہو چکی ہے تیرا دماغ خراب ہو چکا ہے۔

اس عورت نے کہا:

میرا دماغ صحیح ہے اور مجھے صحیح طریقہ سے حدیث پاک یاد ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ

حجاج نے کہا:

ٹھیک ہے میں ہلاک کرنے والا ہوں لیکن منافقوں کو ہلاک کرنے والا۔

اس کی ماں نے یہ حدیث مبارکہ سنائی کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

دو کذاب ہوں گے دوسرا کذاب پہلے سے زیادہ فسادی ہوگا اور وہ بہت زیادہ ہلاک کرنے والا ہوگا اور وہ اے حجاج تو ہی

ہے۔

حجاج نے جواباً کہا:

اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے سچ فرمایا اور تو بھی سچ کہتی ہے میں ہلاک کرنے والا ہوں لیکن منافقوں کو۔

(تطہیر الجنان واللسان عربی:ص:62)

ایک روایت میں ہے کہ

حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ

وہ فرماتے ہیں کہ

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ کے بھائی کے بیٹے کا نام ولید رکھا

تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

تم ایسے ناموں کے ساتھ نام رکھ رہے ہو جو اس امت میں فساد پھیلائے گا۔ وہ شخص امت کے لئے ایسا ہی شریر ہوگا جیسے کہ فرعون اپنی قوم کے لئے تھا۔

حرث بن اسامہ نے سعید بن مسیّب سے مرسلاً روایت کیا ہے کہ

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے بھائی کے ہاں بیٹا پیدا ہوا جس کا نام انہوں نے ولید رکھا اس کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے آئے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اس کا نام تو نے کیا رکھا ہے۔

وہ بولے:

جی ہاں اس کا نام ولید رکھا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ہرگز نہیں! اس کا نام عبدالرحمان رکھ دو۔

اس امت میں ایک ولید نامی شخص ہوگا کہ جو اس امت کے لئے اتنا شریر ہوگا کہ فرعون بھی اتنا اپنی قوم کے لئے شریر نہیں تھا۔

عبدالرحمن بن عمرو فرماتے ہیں کہ

میں نے سعید بن مسیّب سے کہا کہ

وہ کون ہوگا۔

تو آپ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا۔
وہ ولید بن یزید ہے۔
(تطہیر الجنان واللسان عربی: ص:63)
ایک اور روایت میں ہے کہ
حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ
میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ
ایک شخص ہوگا جو بنی امیہ کے ظالموں میں سے ایک ظالم ہوگا وہ میرے اس منبر پر کھڑے ہوکر نکسیر بہائے گا مجھے اس شخص نے یہ بات بیان کی کہ جس نے عمرو بن سعید بن عاص کو منبر رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر نکسیر بہاتے ہوئے دیکھا حتیٰ کہ وہ نکسیر منبر کی سیڑھی تک بہہ گئی۔
(مسند احمد: مسند ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ: جز: 21 ص:390)
عطا بن سائب سے ایک روایت مروی ہے کہ
اور یہ آدمی ذہنی طور پر مختلط ہوگا۔
روایت یہ ہے کہ
مروان نے حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہما کو برا بھلا کہا اور اس قدر مبالغہ کیا کہ
کہنے لگا کہ
تم سارے اہل بیت ملعون ہو (معاذ اللہ)
حضرت حسین رضی اللہ عنہ غضب ناک ہوئے
اور فرمایا:
اگر تم یہ کہتے ہو تو میں کہتا ہوں کہ
اللہ تعالیٰ کی قسم! اللہ عزوجل کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے تجھ پر اس وقت لعنت فرمائی کہ جب تو اپنے باپ کی پیٹھ میں تھا۔
اس پر مروان خاموش ہوگیا۔
(تطہیر الجنان واللسان عربی: ص:63)
اور ایک روایت میں ہے کہ جس کے تمام رجال صحیح ہیں۔
حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

اس کعبہ کے رب عزوجل کی قسم! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فلاں (مروان) پر اس وقت لعنت فرمائی جبکہ وہ صلب میں تھا۔

(مسند احمد: جزء السادس والعشر ون ج:26،ص:51)

اور ایک روایت ایسی ہے کہ جس کے راوی ثقہ ہیں۔

روایت ہے کہ

مروان جب مدینہ منورہ کا حاکم بنا تو ہر جمعہ کو منبر پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو طعن و تشنیع کرنے لگا پھر اس کے بعد سعد بن عاص مدینہ کا گورنر بنا تو وہ کچھ نہیں کہا کرتے تھے پھر مروان گورنر ہوا تو مسلسل وہی خرافات کرنے لگا۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ اس کو جانتے تھے اور خاموشی اختیار فرماتے تھے اور مسجد میں تکبیر کے دوران تشریف لاتے تھے لیکن مروان حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی اس بردباری پر بھی رضامند نہ ہوا اور آپ رضی اللہ عنہ کے گھر میں آپ رضی اللہ عنہ کو اور آپ رضی اللہ عنہ کی والدہ محترمہ کو برا بھلا کہلوا بھیجتا ان تمام بکواسات میں ایک بکواس یہ بھی تھی کہ تمہاری مثال خچر کی طرح ہے کہ اسے کہو تیرا باپ کون ہے تو کہے کہ گھوڑا۔

حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے قاصد سے فرمایا کہ

تم واپس چلے جاؤ اور مروان سے کہو کہ ہم تمہیں گالیاں دے کر جو کچھ تم نے کہا ہے اس کو مٹانا نہیں چاہتے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ تمہارا اور ہمارا قیام رب کے ہاں ضرور ہوگا اگر تم جھوٹے نکلے تو اللہ تعالیٰ سخت بدلہ لینے والا ہے۔ بے شک مروان نے میرے جدِ امجد محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی بڑی تعظیم کی کہ میری مثال خچر کی طرح بیان کرتا ہے۔ قاصد جب وہاں سے جانے لگا تو حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ ملے اور ان کے بہت ڈرانے دھمکانے پر مروان کا قول اس نے ان کو سنایا۔

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

مروان سے کہنا کہ تو ہی اپنے باپ اور قوم کی خبر لے

اور میرے اور تمہارے درمیان نشانی یہ ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی لعنت تمہارے دونوں شانوں کے مابین میں بن گئی ہے۔

اور سندِ حسن کے ساتھ روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

قیامت اس وقت تک قائم نہ ہوگی جب تک تین اشخاص ایسے پیدا نہ ہو جائیں کہ وہ مسیلمہ اور عنسی اور مختار ہوں گے۔

مسیلمہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد ظاہر ہوا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ظاہری حیات میں نہیں تھا اور بدترین عرب کے بنی امیہ اور بنی حنیفہ اور ثقیف ہیں۔

اورابوبرزہ سے صحیح طرق کے ساتھ جس کی نسبت حاکم نے شیخین کی شرط پر کہا ہے۔
روایت ہے کہ
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں بنی امیہ مبغوض ترین لوگوں میں سے تھے۔
یا یہ ارشادفرمایا کہ
زندہ لوگوں میں سے سب سے زیادہ مبغوض تھے۔
حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے ثقہ راویوں کے ساتھ روایت ہے کہ
ایک دفعہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا:
ابھی تمہارے پاس ایک ملعون شخص آیا۔
یہ سن کر میں ہر آنے والے کوتوجہ سے دیکھتا حتیٰ کہ فلاں شخص یعنی حکم وہاں پر آیا۔
(مسند احمد: مسند عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ: جز:13،ص:271)
اس کے نام کی صداقت امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں ہے۔
اورایک روایت جس کوحافظ ہیثمی نے فرمایا کہ میں اس کونہیں جانتا۔
روایت یوں ہے کہ
حجر کے مقام پرحکم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے گزرا۔
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا:
میری اُمت میں فساد ان اشخاص کی بدولت ہوگا جواس شخص کی پشت سے ہوں گے۔
(معجم الاوسط: جز:2،ص:144)
اورحسن سند سے روایت ہے کہ
مروان نے عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ سے کہا:
توتووہی آدمی ہے جس کے بارے میں یہ آیت کریمہ
وَالَّذِیْ قَالَ لِوَالِدَیْهِ اُفٍّ لَّكُمَآ (۴۶:۱۷)
نازل ہوئی تھی۔
حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے فرمایا:
تو کاذب ہے بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہارے ہی باپ پرلعنت فرمائی تھی۔
اورایک منقطع روایت جوثقہ راویوں سے روایت ہے۔

وہ یوں ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ہمیشہ میری امت کا کام استقامت کے ساتھ رہے گا حتیٰ کہ اس میں فساد پڑ جائے گا۔

اور ایک اور روایت میں ہے کہ

پہلا آدمی جو اس میں فساد پیدا کرے گا بنی امیہ کا ہوگا جس کو لوگ یزید کہیں گے۔

اور ابوبکر ابن شیبہ اور ابو یعلیٰ نے روایت کیا ہے کہ

جب یزید شام کا امیر بنا تو مسلمانوں نے کسی مقام پر جہاد کیا اس میں ایک اچھی لونڈی کسی آدمی کو ملی وہ لونڈی اس سے یزید نے لے لی۔ اس آدمی نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے سفارش کی لہٰذا وہ اس کے ساتھ یزید کے پاس گیا اور تین دفعہ اس سے لونڈی کے واپس کر دینے کو کہا مگر وہ انکار ہی کرتا رہا۔

آخر کار حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ

خبردار ہو جاؤ تم نے اس طرح کیا ہے۔ ہم نے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے

وہ ارشاد فرماتے تھے کہ

میری سنت کو جو آدمی بدلے گا وہ بنو امیہ میں ایک آدمی ہوگا یہ فرما کر حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ وہاں سے چلے گئے۔ یزید بھی ان کے پیچھے چلا گیا

اور کہنے لگا:

آپ رضی اللہ عنہ کو اللہ تعالیٰ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ کیا وہی آدمی میں ہی ہوں، سچ بتائیں۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

میں نہیں جانتا۔

اس کے بعد یزید نے وہ لونڈی اسے واپس کر دی۔

(مصنف ابن ابی شیبہ باب ما اول ومن فعلہ: جز:14، ص:102)

یہ حدیث مبارکہ اس پہلی حدیث کہ جس میں یزید کے نام کی صراحت ہے معارض نہیں ہوسکتی اس لئے کہ اگر حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کے فرمان کو حقیقت پر محمول کریں تو اس طرح ہوگا کہ ان کو یہ چھپا ہوا آدمی معلوم نہیں ہوگا۔ لہٰذا وہ نفی اپنے علم کی کر رہے ہیں حالانکہ روایت میں اس ابہام کی تعیین کی گئی ہے اور مفسر مبہم پر راجح ہوتا ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ جانتے ہوں مگر فتنے کے خوف کی وجہ سے صراحت نہ کی ہو خاص طور پر ایسی حالت میں کہ جب حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ اور بنی امیہ کے مابین کچھ واقعات ہو چکے تھے جن کی وجہ سے یہ احتمال تھا کہ شاید آپ رضی اللہ عنہ عداوت کی وجہ سے اس طرح فرما

رہے ہیں۔
اور سند ضعیف کے ساتھ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
ہر چیز کے لیے ایک ایک آفت ہوتی ہے اور اس دین کی آفت بنی امیہ ہے۔
اور ایک سند جس کو حافظ ہیثمی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ میں ان کو نہیں جانتا۔
روایت یوں ہے کہ
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
ایک خلیفہ ایسا ہوگا کہ وہ اور اس کی اولاد جہنم میں داخل ہوگی۔
اور ضعیف سند کے ساتھ روایت ہے کہ
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کوئی بات آہستہ فرمائی پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا مقدس سر انور اٹھایا
اور ارشاد فرمایا کہ
خبیث نے دروازہ کو تلوار سے کھٹکھٹایا۔ اے ابوالحسن (حضرت علی رضی اللہ عنہ کی کنیت ہے) اس کو پکڑ آؤ جیسے بکری دوہنے کے واسطے پکڑ کر لے آتے ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ گئے اور اس کو کان اور گلے سے پکڑ کر لے آئے (وہ حکم تھا) اس وقت آپ نے اس پر تین بار لعنت فرمائی۔
اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا:
اس کو ایک جانب بٹھادو۔ جب جماعت مہاجرین وانصار اکٹھی ہوگئی تو
آپ نے ان کو بلا کر فرمایا کہ
یہ آدمی کتاب اللہ وسنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف کرے گا اور اس کی پشت سے وہ شخص نکلے گا جس کا دھواں یعنی فتنہ اس حد تک پہنچ جائے گا کہ آفتاب کو بھی چھپالے گا۔
مطلب یہ کہ
اس کا فتنہ تمام عالم کو تاریک کردے گا۔
کسی نے عرض کیا کہ
اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سچے ہیں مگر یہ آدمی ایسا نظر آتا ہے کہ اس سے ایسے عظیم فتنہ کا خوف نہیں ہو سکتا۔
ارشاد فرمایا گیا:

بے شک ایسا ہی ہوگا (یعنی فتنہ کرے گا) بلکہ تم میں سے بھی بعض لوگ اس کی اطاعت اختیار کریں گے۔

(تطہیر الجنان واللسان عربی، ص:65)

اور ایک سند ایسی ہے کہ جس میں ایک راوی کے سوا وہ نامعلوم ہے باقی تمام راوی ثقہ ہیں۔

روایت ہے کہ

حکم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں حاضر ہونے کی اجازت مانگی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اس کو آنے دو۔ اس پر اللہ تعالیٰ اور فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت ہے اور جس قدر اشخاص اس کی ذریت سے ہوں گے دنیا میں تو برے اور آخرت میں رذیل ہوں گے مگر ان میں کچھ نیک لوگ مستثنیٰ ہیں مگر وہ بہت ہی کم ہیں۔

اور ایک سند ایسی ہے کہ جس میں ابن لہیعہ ہے اور اس کی حدیث حسن ہوتی ہے۔

روایت ہے کہ

مروان حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس کسی غرض کی وجہ سے گیا

اور عرض کیا کہ

میرا خرچ بہت زیادہ ہے۔ میری دس اولاد ہے اور دس بھائی ہیں اور دس چچا ہیں یہ کہتا ہوا وہ روانہ ہو گیا۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے جو ان کے پاس تشریف فرما تھے۔

ارشاد فرمایا کہ

کیا آپ رضی اللہ عنہ کو یاد نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا کہ

جب بنی امیہ میں تیس مرد ہو جائیں گے تو وہ آیات باری تعالیٰ اور اللہ تعالیٰ کے بندوں کو اور کتاب اللہ کو مٹانے کی سعی کریں گے۔ پھر جب چار سو سات کی تعداد کو پہنچ جائیں گے تو اس وقت ان کی ہلاکت بھی جلدی ہو جائے گی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ

ہاں۔

پھر مروان کو کچھ حاجت ہوئی اور اس کے لئے اس نے اپنے بیٹے عبدالملک کو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا۔ جب اس نے کلام کیا۔

تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

میں تمہیں اللہ تعالیٰ کی قسم دیتا ہوں کہ کیا تمہیں علم نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آدمی کا ذکر فرمایا تھا

اور ارشاد فرمایا تھا کہ

یہ چار ظالموں کا باپ ہوگا۔
حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا:
ہاں۔
(تطہیر الجنان واللسان عربی:ص:65)
ایک اور روایت جس کی سند میں ایک راوی کے علاوہ ثقہ ہیں اور باقی راوی صحیح احادیث کے راوی ہیں۔
روایت ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں دیکھا کہ
گویا بنی امیہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر پر چڑھتے اور اترتے ہیں پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم رنج والم کی حالت میں بیدار ہوئے
اور ارشاد فرمایا:
کیا حالت ہے کہ حکم کی ذریت میرے منبر پر بندر کی طرح چلتی پھرتی ہے۔
حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ
پھر وفات تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اچھی طرح ہنستے ہوئے کسی نے نہیں دیکھا۔
(تطہیر الجنان واللسان عربی ص:65)
اور ایک روایت جس کا ایک راوی مختلف فیہ ہے کہ
حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ
قبیلہ ثقیف کے ایک لڑکے یعنی حجاج کی نسبت کہ وہ عرب کا کوئی گھر ایسا نہیں چھوڑے گا جس میں ذلت کو نہ داخل کرے۔
عرض کیا گیا:
وہ کب تک بادشاہی کرے گا۔
ارشاد فرمایا کہ
اس کی حکومت کا زمانہ اگر بہت زیادہ ہوگا تو بیس سال رہے گا۔
چنانچہ ایسے ہی ہوا۔
(تطہیر الجنان واللسان عربی ص:65)
لہٰذا یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی کرامت ہے۔
ایک اور روایت میں ہے کہ

بنی عباس کے دو جھنڈے قائم ہوں گے
ایک کفر کا
دوسرا گمراہی کا۔
لہٰذا اے مخاطب اگر تو ان کو کہیں پائے تو گمراہ نہ ہو جانا۔
(تطہیر الجنان واللسان عربی ص:65)
ایک روایت کہ جس کی سند میں ضعیف راوی ہیں۔
روایت ہے کہ
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
میرے اور بنی عباس کے مابین میں کس طرح بن پائے گی۔ انہوں نے میری امت میں اختلاف پھیلایا، خون ریزیاں کیں، ان کو سیاہ کپڑے پہنائے اللہ تعالیٰ ان کو آگ کے کپڑے پہنائے۔
(معجم الکبیر: ثوبان مولی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ج:2، ص:96)
ایک اور روایت میں ہے کہ
عنقریب مشرق سے بنی عباس کے دو نشان نکلیں گے اول وآخر دونوں خراب ہوں گے۔ ان کی کبھی بھی مدد نہ کرنا جو شخص ان کے کسی جھنڈے کے نیچے چلے گا اللہ تعالیٰ اس کو جہنم میں داخل فرمائے گا۔
خبردار!
وہ اور ان کے پیروکار دونوں بدترین اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں وہ خود کو سمجھیں گے کہ وہ ہم میں سے نہیں ہیں۔
ان کی علامت یہ ہے کہ
ان کے بال بڑے ہوں گے اور لباس سیاہ ہوگا لہٰذا تم لوگ ان کے ساتھ کسی مجلس میں نہ بیٹھو نہ بازاروں میں ان سے خرید وفروخت کرو نہ انہیں راستہ بتاؤ نہ ان کو پانی پلاؤ۔
(معجم الکبیر: صدی بن العجلان ابو امامۃ الباہلی نزل: جز:8 ص:101)
ایک اور روایت میں ہے کہ جس کی سند کے بعض راویوں کی امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے توثیق کی ہے اور امام نسائی وغیرہ رحمہم اللہ علیہ نے ان کو ضعیف کہا ہے۔
روایت ہے کہ
حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر انور پر اپنا رخسار رکھا۔
مروان نے کہا:

دیکھو کیا کر رہے ہو۔

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا:

دین پرمت روؤ جب اس کے والی نااہل ہوں۔

(تطہیر الجنان واللسان عربی ص:65)

مطلب ان کا مروان کے والی مدینہ ہونے پر اعتراض کا تھا۔

اور سند صحیح کے ساتھ روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا:

مجھے اپنی امت پر چھ باتوں کا خوف ہے

ایک تو لونڈی کی حکومت۔

اور ایک روایت میں ہے کہ

بے وقوفوں کی حکومت۔

اور یہ بھی درست ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ سے ارشادفرمایا کہ

اللہ تعالیٰ تمہیں بدعقلوں کی حکومت سے محفوظ فرمائے۔

پھر ارشادفرمایا کہ

میری امت کی ہلاکت قریش کے چند لونڈوں کے ساتھ ہوگی۔

(مستدرک: کتاب الفتن والملاحم: جز:4،ص:572)

اور ایک روایت حضرت ابوبکر بن ابی شیبہ رضی اللہ عنہ کی یہ ہے کہ مروان نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث سننے کی خواہش کی۔

انہوں نے فرمایا کہ

میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ

ایک آدمی جو خلافت کا متولی ہوگا اس بات کی آرزو کرے گا کہ کاش میں ثریا سے گر پڑتا مگر خلافت کے کسی حصہ کا والی۔

مروان نے کہا:

اور کچھ فرمایئے۔
حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ
اس امت کی ہلاکت قریش کی ایک جماعت کے ہاتھوں ہوگی۔
مروان نے کہا:
پھر تو یہ بہت برے لڑکے ہوں گے۔
(مستدرک: کتاب الاحکام ج:4،ص:102)
اور یہ بھی روایت ہے کہ
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
خوش خبری دوان کو جو خوارج کو قتل کریں یا خوارج ان کو قتل کریں۔
حضرت ابویعلیٰ سے روایت ہے کہ
عبداللہ بن ابی اوفیٰ صحابی سے سوال کیا گیا کہ
اگر سلطان لوگوں پر ظلم کرے اور برے طریقے سے پیش آئے تو حضرت ابن ابی اوفیٰ رضی اللہ عنہ نے سائل کو زور کے ساتھ انگلیوں سے دبایا
اور فرمایا کہ
سلطان اعظم اگر تمہاری سنے تو اس کے گھر میں جا کر اس سے کہو اگر قبول کرے تو خیر ورنہ خاموش رہو کیونکہ تم اس سے زیادہ نہیں جانتے۔
(تطہیر الجنان واللسان عربی ص:65)
حضرت حارث بن اسامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
جب حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ نے خارجیوں کے ستر سر دمشق کی سیڑھیوں پر لٹکے ہوئے دیکھے تو رونے لگے۔
پوچھا گیا:
آپ رضی اللہ عنہ کیوں رو رہے ہیں۔
آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:
ان پر مجھے رحم آ رہا ہے کہ ان کا بھی اسلام کا دعویٰ تھا۔
اور یہ خیال آتا ہے کہ
شیطان مسلمانوں کے ساتھ کیا رویہ کرتا رہتا ہے۔

تین بار اس طرح فرما کر ارشاد فرمایا:

یہ لوگ جہنم کے کتے ہیں۔

پھر تین بار ارشاد فرمایا:

آسمان تلے جتنے لوگ مقتول ہوئے ان تمام سے یہ لوگ بدتر ہیں اور سوادِ اعظم کے علاوہ جہنم میں جائیں گے۔

عرض کیا گیا:

سوادِ اعظم اب جو کچھ کر رہے ہیں کیا آپ رضی اللہ عنہ اس کو نہیں دیکھ رہے۔

ارشاد فرمایا:

ہاں ان پر ان کا وزن ہے اور تم پر تمہارا وزن ہے۔ اگر تم ان کی پیروی کرو گے تو ہدایت یافتہ رہو گے اور پہنچانے والے پر پہنچا دینا فرض ہے (یعنی میں نے پہنچا دیا)

پھر ارشاد فرمایا:

سننا اور فرمانبرداری کرنا نافرمانی کرنے اور تفرقہ ڈالنے سے (کئی درجے) بہتر ہے۔

اور ارشاد فرمایا کہ

یہ تمام کچھ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے۔

اور حضرت ابویعلیٰ اور حضرت بزار سے روایت ہے کہ

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے منبر پر ارشاد فرمایا کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے وصیت فرمائی تھی کہ

ناکثین قاسطین مارقین کو قتل کرنا یہ تمام لوگ وہی خوارج ہیں کیونکہ پہلے تو وہ آپ کے لشکر میں تھے پھر ان پر شیطان حاوی ہو گیا کہ وہ باغی ہو گئے اور بہت سی باتوں میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے انہوں نے ناراضگی ظاہر کی۔ ان باتوں میں وہ صراحتاً کاذب تھے سب ان کا افتراء تھا۔

(تطہیر الجنان واللسان عربی ص:66)

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح طرق سے ثابت ہے کہ

اسلام کی چکی تیس (30) برس تک چلے گی۔

اس حدیث مبارکہ پر بحث ہو گئی ہے۔

اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے صحیح طرق سے ثابت ہے کہ

سب سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے پھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تشریف لائے پھر حضرت عمر

رضی اللہ عنہ تشریف لائے اس کے بعد ہمیں فتنہ نے پکڑ لیا پھر جو اللہ تعالیٰ نے چاہا وہ ہوا۔

(تطہیر الجنان واللسان عربی ص:66)

ایک اور روایت میں ہے کہ

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تذکرہ کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح بیان کی پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا تذکرہ کیا اور ان کی مدح بیان کی۔

اس کے بعد ارشاد فرمایا:

(30) تیس سال کے بعد تم اپنا منہ جس طرف چاہو پھیر لینا۔ تم اپنا رخ سوائے عجز و فجور کے نہیں پھیر سکو گے۔

اور یہ بھی صحیح روایت ہے کہ

اسلام کی رسیاں ایک ایک کر کے توڑی جائیں گی جب ایک توڑی جائے گی تو لوگ اس کے قرب والی کو پکڑ لیں گے اور سب سے پہلے حکم (یعنی خلافت) کی رسی توڑی جائے گی پھر نماز کی رسی توڑی جائے گی۔

(یہ حکم بھی صادق ہے آج ہم دیکھ رہے ہیں)

(مستدرک: کتاب الاحکام: جز:4، ص:104)

ایک اور حدیث جس کے راوی ثقہ ہیں۔

روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

میں 70ھ کے اوائل سے پناہ مانگتا ہوں اور دنیا اختتام پذیر نہ ہو گی حتیٰ کہ لونڈے اس میں حکومت کریں۔

(معجم الاوسط: جز:2، ص:105، کنز العمال: فصل الثانی: جز:11، ص:119)

ایک اور حدیث میں ہے کہ

(100) سو سال گزر جانے تک اللہ تعالیٰ ایک ٹھنڈی ہوا کو مسخر فرمائے گا جو ہر ایمان والے کی روح کو قبض کرے گی۔

اس حدیث مبارکہ سے یہ استدلال کیا گیا ہے کہ

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کوئی سو سال کے بعد زندہ نہیں رہے گا۔

ایک اور روایت میں ہے کہ جس کی سند میں ابن لہیعہ ہیں اور ان کی حدیث حسن ہوتی ہے۔

روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ہر امت کے لئے ایک وقت مقرر ہوتا ہے اور میری امت کا وقت سو برس ہے۔ جب سو برس میری امت پر گزر جائیں

گے تو جو کچھ اللہ تعالیٰ نے ان سے وعدہ کیا ہے ان کو مل جائے گا یعنی فتنہ اور بڑی بڑی بدعتیں پھیل جائیں گی چنانچہ اسی طرح ہی ہوا۔

اور ابو یعلیٰ سے روایت ہے کہ

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس کسی عامل کی عرضی جس میں لکھا تھا کہ ہم نے ترکیوں کو بہت قتل کیا اور ان کے مال تقسیم کر لیے۔ یہ سن کر آپ رضی اللہ عنہ کو غصہ آیا۔

اور اس عامل کو لکھا کہ

میری اجازت کے بغیر پھر کبھی اس طرح نہ کرنا۔

کسی نے کہا کہ

اے امیر المومنین رضی اللہ عنہ! اس قدر غصہ کیوں آیا ہے۔

آپ رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا:

ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خود سنا ہے کہ

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ترک اہل عرب کو نکال دیں گے اور جنگل میں خانہ بدوش کر دیں گے لہذا میں ترکوں کے قتل کو ناپسند کرتا ہوں۔

(تطہیر الجنان واللسان عربی ص:66)

اور ثقہ راویوں سے روایت ہے کہ

حضرت ابو رماشہ رحمۃ اللہ علیہ مولیٰ عبد العزیز مسجد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں زید بن حسن اور ابو بکر بن جہم رضی اللہ عنہ جیسی عظیم ہستیوں پر پھبتے (تو کا کرنا) ہوئے آئے۔ اس پر کچھ لوگ معترض ہوئے اور یہ حدیث مبارکہ سنائی کہ دنیا اختتام پذیر نہ ہو گی حتیٰ کہ وہ لونڈی اور غلاموں کی ہو جائے۔

اور ایک روایت ثقہ یہ ہے کہ

خبردار ہو جاؤ کہ تمہیں حق کہنے سے کوئی بات باز نہ کرے کیونکہ یہ خوف نہ موت کو قریب کرتا ہے اور نہ رزق کو دور کرتا ہے۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ

اسی حدیث مبارکہ نے مجھے مجبور کیا کہ میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس گیا اور ان کو بہت سنا آیا۔

اور ابو یعلیٰ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ مسجد میں آرام فرما رہے تھے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنے پاؤں مبارک سے ہلا کر ارشاد فرمایا:

جس وقت تمہیں لوگ مسجد سے نکال دیں گے اس وقت تم کیا کروگے۔
عرض کیا:
(یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم!) سرزمین شام میں چلا جاؤں گا کیونکہ وہی تو زمین محشر اور مقدس زمین ہے۔
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
جب ادھر سے نکال دیں گے (تو پھر کہاں جاؤ گے)
عرض کیا:
اپنی ہجرت کے مقام پر واپس پلٹ جاؤں گا۔
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
جب وہاں سے بھی نکال دیں گے (تو پھر کیا کروگے)
عرض کیا:
اس وقت میں اپنی تلوار ہاتھ میں لوں گا اور جہاد کروں گا۔
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
اس میں اچھائی نہیں ہے۔تم ان لوگوں کی اطاعت کرنا اور جس طرف وہ تمہیں لے جائیں چلے جانا۔
یہ حدیث مبارکہ روایت کر کے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرمانے لگے کہ اللہ تعالیٰ کی قسم! میں اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملوں گا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا حکم سنتا رہوں گا اور اس کی اطاعت میں سرخم رہوں گا۔
(سیرۃ الحلبیہ :غزوہ بنی قریظہ ج:2،ص:664)
یہ اس لئے فرمایا تھا کہ آپ رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مابین تھوڑی سی مخالفت ہوگئی تھی۔
اور ایک ضعیف حدیث میں آیا ہے کہ
جب لوگ دو اشخاص کی بیعت کریں تو دونوں سے الگ رہنا اس لئے کہ وہ زمانہ فتنے کا ہوگا اور فتنے کے زمانے میں جتنا ہوسکا سب سے الگ رہنا بہتر ہے۔
یہی تو وجہ تھی کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ایک گروہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ دونوں سے دور رہے لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ سے الگ رہنے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جب پتہ چلا کہ آپ رضی اللہ عنہ برحق امام تھے تو بہت نادم ہوئے جیسا کہ پیچھے گزر چکا ہے ان میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بھی تھے۔آپ رضی اللہ عنہ چند گائیں اور بکریاں لے کر اپنے اہل وعیال کے ساتھ الگ ہوگئے تھے آپ رضی اللہ عنہ پر آپ رضی اللہ عنہ کے بیٹے عمرو نے ملامت کی تو پھر آپ رضی اللہ عنہ نے وہی حدیث سنائی کہ جس میں فرمایا گیا ہے کہ عنقریب ایک فتنہ پیدا ہوگا اس میں بہترین آدمی وہی ہوگا

جو متقی ہو اور سب سے چھپا رہے لہٰذا اے بیٹے تم بھی اسی طرح ہی رہو جب اس نے یہ سنا تو وہ دور ہو گیا۔

مروان نے ایک بار بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بیٹوں کو بلایا

اور کہا:

آپ لوگ ہمارا ساتھ دیں اور ہماری طرف سے لڑیں۔

انہوں نے کہا:

ہمارے والد اور چچا اصحاب بدر میں تھے انہوں نے ہم سے عہد لیا ہے کہ ہم کسی مسلمان سے نہیں لڑیں گے اس لئے اگر تم جہنم میں نہ جانے کی سند ہمیں لا دو تو ہم تمہارے ساتھ ہو کر لڑتے ہیں۔ اس پر مروان نے ان کو بہت زیادہ ڈانٹا اور طعن و تشنیع کر کے روانہ ہو گیا۔

(صحیح ابن حبان بذکر الاخبار عن اخراج النار اباذر: جز:15 ص:52)

میرا یہ آخری کلام ہے جس کو لکھنے کی مجھے یہاں پر توفیق حاصل ہوئی۔ میں امید کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہدایت کے طلب گاروں کو اس سے فائدہ پہنچائے گا اور در بدر (حائرین) پھرنے والوں کو اس سے رہنمائی عطا فرمائے گا' اور تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کا رب عزوجل ہے اور درود و سلام اس مقدس ذات اقدس پر جو تمام مخلوق سے بہتر ہے' اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آل، اصحاب تابعین رضی اللہ عنہم پر قیامت تک بے شمار رحمتوں کا نزول ہو۔

(تطہیر الجنان واللسان عربی ص:67)

عرض گناہ گار و بدکار

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جماعت میں بذریعہ اتم شامل ہیں اور آپ رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتب وحی ہیں اور کاتب وحی ہر صحابی نہیں کرتا تھا بلکہ وہ صحابی کرتا تھا جو وحی کے راز و نیاز کو محفوظ رکھ سکے اور سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سسرالی رشتہ دار ہیں اور پیاری بات تو یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ رضی اللہ عنہ کو ہادی اور مہدی کا لقب ارشاد فرمایا اور آقائے دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ رضی اللہ عنہ کو سب سے زیادہ حلیم اور سخی کا لقب عطا فرمایا اور آپ رضی اللہ عنہ کو اپنا راز دار فرمایا۔

جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

میری امت میں سب سے زیادہ رحیم ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں اور دین کی باتوں میں سب سے زیادہ قوی عمر رضی اللہ عنہ ہیں اور حیاء میں سب سے زیادہ عثمان رضی اللہ عنہ ہیں اور علم و قضا میں سب سے زیادہ علی رضی اللہ عنہ ہیں اور ہر نبی کے کچھ حواری ہوتے ہیں اور میرے حواری طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہما ہیں اور جہاں کہیں سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ ہوں تو حق ان کی طرف ہو گا اور سعید بن زید رضی اللہ عنہ ان دس اشخاص میں ایک شخص ہیں جو رحمان کے محبوب ہیں اور عبدالرحمان بن عوف رضی اللہ عنہ رحمٰن

کے تاجروں میں سے ہیں اور ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ اللہ عزوجل اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے امین ہیں اور میرے رازدار معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ ہیں پس جو شخص ان لوگوں سے محبت کرے گا وہ نجات پا جائے گا اور جو ان سے بغض رکھے گا وہ ہلاک ہوگا۔

اور کاتب وحی کے امین ہونے پر یہ روایت ہے کہ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

حضرت جبرائیل علیہ السلام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے

اور کہا کہ

یا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم! معاویہ رضی اللہ عنہ سے کام لیجئے کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی کتاب پر امین ہیں۔

اور پیاری بات تو یہ ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت زیادہ محبوب تھے۔

چنانچہ روایت میں آتا ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن ام المومنین حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لے گئے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا سر ان کی گود میں تھا (یعنی ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کی گود میں)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

کیا تم معاویہ رضی اللہ عنہ کو محبوب رکھتی ہو۔

حضرت ام المومنین ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے کہا:

میں اپنے بھائی کو کیوں نہ محبوب رکھوں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم بھی معاویہ رضی اللہ عنہ کو محبوب رکھتے ہیں۔

ملاحظہ فرمائیے کہ

ان تمام احادیث مبارکہ سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی کس قدر عظیم شان ظاہر ہوتی ہے اور جو ان سے محبت قائم رکھے گا وہ یقیناً دنیا و آخرت میں نجات حاصل کرے گا اور جو ان سے بغض رکھے گا بافرمان مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم وہ ہلاک ہوگا۔ کیونکہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ عظیم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے گروہ میں سے ہیں اور آپ رضی اللہ عنہ کو برا بھلا کہنے والوں پر اللہ تعالیٰ اور فرشتوں اور سب لوگوں کی لعنت ہے۔

جیسا کہ حدیث مبارکہ میں ہے۔

جس شخص نے کسی صحابی کو برا بھلا کہا اس پر اللہ تعالیٰ کی اور فرشتوں کی اور انسانوں کی سب کی لعنت۔ اللہ تعالیٰ اس کے نہ فرض عبادت قبول فرمائے گا اور نہ نفل عبادت قبول فرمائے گا۔

اب ملاحظہ فرمائیں کہ

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو برا بھلا کہنے والا کون؟

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی شان میں گستاخی کرنے والا کون؟

اور جو لوگ آپ رضی اللہ عنہ کو برا بھلا کہتے ہیں اور ایسی ایسی گھٹیا باتیں آپ رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کرتے ہیں جن سے آپ رضی اللہ عنہ بری الذمہ ہیں انہیں خود سوچنا چاہئے کہ میں اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس صحابی کو برا بھلا کہہ رہا ہوں جو وحی کا تب ہیں۔

جو ہادی مہدی ہیں، جو جنتی ہیں، جو امت مسلمہ کے ماموں ہیں جو سخی وحلم کے پیکر ہیں جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب ہیں۔ اگر وہ خود ٹھنڈے دماغ سے سوچیں تو آج اس دور میں فتنے کھڑے نہیں ہوں گے۔

اللہ تعالیٰ ان کو ہدایت نصیب فرمائے اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ بلکہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی محبت عطا فرمائے۔

آمین بجاہ النبی الامین و صلی اللہ علیہ وسلم

آخری التجاء

اللہ تعالیٰ کی مقدس بارگاہ میں دعا ہے کہ مجھ بدکار روسیاہ کار سے اس کاوش میں اگر کوئی غلطی وکوتاہی ہوگئی ہو تو اپنے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے معاف فرمائے اور میری، میرے والدین کریمین، بہن بھائیوں، عزیز واقارب، پیرومرشد، اساتذہ کرام اور تمام امت مسلمہ کی مغفرت فرما کر ایمان پر خاتمہ، قبر میں زیارت حبیب کبریاء عزوجل وصلی اللہ علیہ وسلم قیامت میں شفاعت حبیب باری تعالیٰ عزوجل وصلی اللہ علیہ وسلم اور جنت میں پڑوس حبیب خدا عزوجل وصلی اللہ علیہ وسلم عطا فرمائے۔

آمین بجاہ النبی الامین وصلی اللہ علیہ وسلم

طالب غم مدینہ ومدفن بقیع

عبدالمصطفیٰ محمد مجاہد العطاری القادری عفی عنہ

آستانہ عالیہ چشتیہ جھلار شریف شاہ جمال مظفر گڑھ

